



دو باتیں

محبت کے سندر میں ایک بار ڈھب، اگر ہم پھر دہریہ سیکس تو کیا ہو گا۔ آپ کے لم ولے آپ کو تلاش کرتے رہ جائیں گے اور جو زیادہ کوشش کریں گے وہ بھی اس سندر میں پھلانگ لگا دیں گے۔ ہم ہو گا یہ کہ وہ خود بھی اس میں گم ہو کر رہ جائیں گے۔

آپ فدا خواست ہیں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرے سبھی پڑھنے والے گم ہو جائیں اور خود مجھے ان کی تلاش میں ٹھٹھکا پڑے۔ لیکن اگر اس طرح آدھل کھینے کا کام کھٹائی میں پڑ جائے گا اور کسی کا کام کھٹائی میں پڑے گا کہ اچھا کام نہیں ہوتا، لیکن بھئی، سچ بات یہ ہے کہ انسانی دھڑ میں آپ کو صورت حال کہ اسی قسم کی پیش آنے والی ہے اور کیوں نہ آئے، یہ شوکی سیریز کا پہلا خاص نمبر ہے۔ واقعات کا دھارا ایک بار شروع ہونے کے بعد کسی مقام پر رگ

نہیں رکھنا پھر یہ یکے تلک ہے کہ آپ اس دھارے کی زد سے نکل نہیں، اگر نکلے تو یہ آپ کا تو کمال ہو گا، اور میری ساری مدد نکالنی۔ میں میں اپنی ناکامیوں پر بھی خوش ہوتا ہوں۔ ان کے بغیر کامیابیوں کا مزا بھی تو نہیں، جو لوگ صرف کامیابیوں ہی حاصل کرتے رہے ہیں، کامیابیوں کے صحیح لطف سے محروم ہیں۔

اگرے، یہ تو بہت خشک ہو گئی، لیکن میں بحث کب کر رہا ہوں۔ میں تو شوکی سیریز کے پہلے خاص نمبر کی دو باتیں لکھ رہا ہوں خدا کا شکر ہے، جلد ہی خیال آ گیا، ورنہ خشک باتوں کا دفتر کھل جاتا اور آپ اس دفتر کو پھینٹ پھرتے۔

کراچی کی محترم حلفت سید صدفی آپ لوگوں کی تہوار کے سلسلے میں لکھتی ہیں کہ لوگوں کا مطالبہ ہے، شوکی سیریز کو ٹرائی بھڑائی کا ماہر بنایا جائے۔ میں سمجھتی ہوں، یہ حدست نہیں، اس طرح شوکی سیریز کی انفرادیت ختم ہو جائے گی۔ یہ شوکی سیریز ہے نہ کہ بار دہاڑے بھر پور کوئی انگریزی نسخہ۔ شوکی سیریز ہاتھ چلانے کی بجائے ذہن چلاتے ہیں۔ ڈنڈے سے مارنے کی بجائے ذہانت سے مارتے ہیں۔ وہ ذہانت اور شہادت کا خوب صورت امتزاج ہیں۔

آپ نے ان کا خیال سنا۔ ان کا خیال اپنی جگہ پر، میں بھی چھپا بھرم کی دو باتیں میں اسی قسم کی باتیں لکھ چکا ہوں۔ لیکن اب میں نے ایک درمیانی راستا نکالا ہے۔ ٹرائی بھڑائی کے موقعوں پر ٹرائی بھڑائی ہو گی، لیکن ذرا اور ڈھب سے۔ آپ اس کی جھلک اس خاص نمبر میں محسوس کر سکیں گے۔ شوکی سیریز کے ساتھ اس مرتبہ آپ انسپکٹر جیشید اور انسپکٹر کامران مرزا کا مشترکہ خاص نمبر بھی پڑے رہے ہیں! گویا اس بار



پیارے قارئین، بک مثال کے مالکان حضرات!
اسلام علیکم۔ اطلاعاً عرض ہے کہ اب مکتبہ اشتیاق

اور اس سے شائع ہونے والی کتب سے میرا کوئی تعلق نہیں

رہا۔ میں نے اپنا الگ ادارہ اشتیاق پبلی کیشنز قائم کر لیا ہے۔

آئندہ انپیکٹر جمشید سیریز، انپیکٹر کامران مرزا سیریز اور شوکی سیریز

اسی ادارے سے شائع ہوا کریں گی۔ اطلاعاً عرض ہے۔

مکتبہ اشتیاق

ان کا مقابلہ ہے، آپس میں۔ ساتھ ہی ایک پرانی چیز "آئینہ"
کا سانپ بھی عرصے بعد حقوق منے کی بنا پر شائع ہو رہی ہے۔
تو میں یوں کیوں نہ کہوں کہ آپ کی تو ہو گئی جلد۔ "دو دو خاص"
بہر اور ادھر سے آئینہ کا سانپ۔ شاید اسی کو کہتے ہیں
"چھڑی اور دو دو"۔ یا پھر کونے پر سہاگا کہتے ہوں گے۔ فیہر
آپ خود کہہ دیجیے۔ میں تو اسے ایک پختہ یقین کا نام دینے
پر تلا جیٹا ہوں اور اب اجازت بھی چاہوں گا، کہیں آپ مجھ
کو چرٹ نہ دوڑیں۔

مکتبہ اشتیاق

یہ دیکھیے

”میری ایک تہذیب ہے۔ کیوں نہ ہو۔“ آفتاب نے حمد درمیان میں چھڑ دیا۔

”ایک تو قدری تہذیب سو فیصد بھروسہ ہوتی ہیں، سونے پر سہارا ہے کہ بتاتے بتاتے درمیان میں ہی رک جاتے ہو۔“ سپنس پوچھا کرتے کا یہ کوئی ہانڈ طریقہ تو نہیں؟ الطلاق لے جلی نہیں کر کہا۔

”اگر میری تہذیب سو فیصد بھروسہ ہوتی ہیں تو پھر ان میں سپنس کہاں سے آکر دیا؟“ آفتاب غصے سے لہجے میں پوچھا۔

”آپ آدمی ناممکن بات کہ تو کھلے طور پر سٹلٹا ہی پسے کر رہا ہے؟“ الطلاق لے اطلاق کا سارا دیا۔ مجھے لاشعور پا کر آفتاب نے ہاتھ اچھٹے لکڑوں سے پیری طرف دیکھا اور پھر بولا،

”جہاں تھان۔ آپ کیا کہتے ہیں؟“

”کس سٹلٹے میں؟“ میں نے حیران ہو کر کہا،

”اس سٹلٹے میں کہ اس کی تہذیب سو فیصد بھروسہ ہوتی ہیں،“

ترتیب

• وہ آگے	• ایک
• آخری کام	• ایک
• وہ دانا	• جہاں تھان روگ
• ہریت انگریز سٹاپ	• خدا دقتی
• ادھر کی منظوری	• کس نے کی
• ہر آدمی	• یہ دقتی اور
• وہ	• ان کی نظر
• وہ	• ایک لڑکا

نہیں: آفتاب کی بجائے اشفاق بول اٹھا۔
"جی نہیں۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تجویز پیش
کروں یا نہ کروں: آفتاب نے فوراً کہا۔
"چو کر دو جی۔ کوئی حرج نہیں: میں نے ہنس کر اہارت
دی۔
"تو پھر بیٹے۔ میری تجویز یہ ہے۔ کیوں نہ ہم پیری لگانا شروع

کر دیں۔
"پیری لگانا۔ کیا مطلب: میں نے حیران ہو کر کہا۔
"مطلب یہ کہ جس طرح نوائے دل سے پیری لگاتے ہیں،
اور آوازیں لگاتے چرتے ہیں، اسی طرح ہم بھی کیوں نہ پیری لگائیں
اور آوازیں لگائیں۔ کیسے مل کر آؤ۔ کیسے۔
"فاحول دلاق۔ میں نے ٹھیک کہا تھا۔ اس کی ہر تجویز
بالکل بحواس ہوتی ہے: اشفاق نے کہا۔

"ہاں۔ بات تو ٹھیک ہے۔ آفتاب اپنی تجویزوں کا دفتر
اب بند کرو اور کوئی کام کی بات کرو۔
"جی بہت بہتر۔ اب میں کام کی بات شروع کرتا ہوں۔
"میں اتار پر اتار دھڑے بیٹھے پورا ایک ہفتہ ہو گیا۔ کوئی کیس
آؤ کر جی ہم تک نہیں پہنچا۔ جیسے کسی جھوٹے کے منہ تک کوئی
میکل تک آؤ کر نہیں پہنچتی۔ ان حالات میں کیوں نہ ہم کوئی اور

کام شروع کریں: اس نے ہلہ بول دی کہا۔

"مثلاً کیا۔ یہ بھی تو بتاؤ: اشفاق ہلہ بول سے بولا۔
"مثلاً یہ کہ۔ منڈی سے کچھ سامان لے آئیں اور اسے یہاں
رکھ کر بیچنا شروع کر دیں۔
"یہ بھی نہایت بے ہودہ تجویز ہے: اشفاق نے گویا فیصلہ
دیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ کیونکہ ہم اب اس حد تک مشہور ہو چکے
ہیں کہ اس قسم کا کوئی کام زیب نہیں دیتا: میں نے کہا۔
"معلوم ہو گیا۔ آفتاب کوئی کام کی تجویز پیش نہیں کر
سکتا۔ اشفاق نے ایک لمبا سانس کیسچا۔
"تو چلو۔ تم ہی کوئی تجویز پیش کر دو: اس نے تلمل کر
کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ میں ایک بہت ہی زور دار اور مزے دار
بلکہ پھر تک دار تجویز پیش کر سکتا ہوں: اشفاق پرجوش انداز میں
بولتا۔

"یہ کوئی تختہ دار قسم کی تجویز تو نہیں: آفتاب نے جتنا کر کہا
اور ہم ہنس پڑے۔

"میں اسی وقت اندرونی دروازہ کھلا اور اُمی جان کی دھڑکتی
آواز ہمارے کانوں سے ٹھکرائی:

• "لوگو! تم کسی کام کے ہیں ہو یا ہانکل بکے اسی ہو۔"
 • "آج کل تو ہانکل بکے اسی ہیں امتی جان۔ آپ کا خیال
 کم از کم ان دونوں سو فیصد درست ہے۔ میں نے مسیحا صورت
 بنا کر کہا۔ اس دوران امتی جان اندر داخل ہو چکی تھیں۔
 • "ایکس۔ تو کیا اس سے پہلے میرا یہ خیال غلط تھا؟" انہوں نے

آج بھی نکالیں۔
 ۱۰۔۔۔ انہیں۔۔۔ بک بائکل نہیں؟ میں گڑ بڑا

اشفاق
"اپنا سہرا میں تمہاری خالہ جان کے اٹا جا رہی ہوں۔"
"کوئی فرق یا واسطہ نہیں اوسارے گئی ہیں، کیا خالہ جان۔"
آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

’آفتاب۔ تم میں یہ بہت گندی عادت ہے کہ بات کاٹ دیتے ہو۔ یہ بد اخلاقی ہے۔ بچے۔‘

”جی۔ جی ہاں۔ سمجھ گیا، آئندہ میں کبھی بات نہیں کاٹوں گا۔
 کاٹنے کے لیے اور کیا تھوڑی چیزیں ہیں۔“

کیا مطلب۔ خبردار جو تم نے گھر کی چیزیں کاٹیں۔ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ اُن تو میں کہہ رہی تھی کہ میں تمہاری خالہ جان کے اُن جا رہی ہوں۔ تمہارے ابا جان گھر میں نہیں ہیں۔ وہ آئیں تو انہیں بتا دینا۔ یہ کہہ کر وہ مڑی ہی گئیں کہ ہم

نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی اور پھر دھک سے رہ گئے۔
ایک نوجوان لڑکی دوڑتی ہوئی دفتر میں داخل ہوئی تھی۔ بدعاسی میں
وہ آفتاب سے ٹکرا گئی۔ آفتاب اور وہ بری طرح ٹکرائے، لیکن
پھر سنبھل گئے۔

عزیز - عزیز - یہ کہیں کا میدان نہیں ہے۔ شوکی اینڈ کو کا دفتر ہے۔

”اچھ۔ اچھی۔ طرح۔ جانتی ہوں۔ اس نے اچھے ہونے کہا

شاید بہت دور سے دھڑکی ہوئی آئی تھی۔ عین اُسی وقت ایک کار
کے بریک پر چرائے۔ لڑکی نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

اس کا رنگ سبز پڑ گیا اور پھر اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگادی۔ دوسرے ہی لمحے وہ شرک پر دوڑی جا رہی تھی۔

شرف کار و بہارے دروازے کے سامنے رکھی تھی۔ خوری طور پر
حرکت میں آگئی، لیکن اس سے پہلے اس میں سے ایک آدمی اُتر

چکا تھا۔ کار میں بیٹھے ہوئے اس کے ساتھیوں نے اسے بٹانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی اور کار آگے بڑھا دی۔

جو سڑک پر کھڑا رہ گیا تھا۔ ہماری طرف بڑھا۔ امتی جان جلدی

سے اندھولی دروازے میں داخل ہوئیں۔ ہم نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

”وہ۔ وہ۔ لڑکی۔“ وہ اندر داخل ہوتے ہوئے کہلایا۔

"جی ہاں۔ وہ ایک بڑی ہی سنی۔ دوسرا ہرگز نہیں سنی۔ یہ
اور بات ہے کہ اس نے بڑی کامیابی آپ کو رکھا ہو اور ہمیں غلط
فہمی ہوئی ہو۔ اور یہ بات بھی سنی میں کہ وہ دوڑتی ہوئی ہمارے
دفتر میں داخل ہوتی سنی۔ اور پھر آپ لوگوں کی کارڈس دیکھ کر
زور بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں نے ناخوش گوارہ لہجے میں جلدی جوری
کہا۔

"وہ وہ واصل پور ہے۔ ہماری بینک چھڑا کر بھاگی
ہے۔" بینک۔ چار بھاگی ہے۔ کیا وہ کوئی بہت قیمتی بینک سنی؟
میں نے حیران ہو کر کہا۔

"غیر اتنی قیمتی ہی نہیں سنی۔ لیکن بہر حال ہماری چیز سنی۔
اور وہ چار بھاگی سنی، ہمارے لیے اس کا پیچھا کرنا ضروری تھا۔"
اس نے وضاحت کی۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں؟ اشفاق بولا۔

"وہ بینک آپ لوگوں کو تو نہیں دے گئی؟

"ہم چوری کی چیزیں نہیں خریدتے۔" میں نے برا مان
کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تو پھر کیا مطلب تھا؟"

"یہ کہیں چوری کے الزام سے بچنے کے لیے وہ بینک یہاں
دراگمائی ہو؟"

"اور ہاں۔ یہ میں ممکن ہے۔ اللہ۔ اور اگر وہ فرشتے
دیکھتا۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"صرف ارشد بلکہ ہم بھی نیچے دیکھنے لگے۔ لیکن بینک کہیں
بھی نظر نہ آئی۔

"نہیں جناب۔ وہ ضرور اپنے ساتھ ہی لے گئی ہے، واصل
اسے تو کچھ کرنے کی سلت ہی نہیں ملی؟"

"نیر کوئی بات نہیں۔ میرے ساتھی اسے پکڑ ہی لیں گے۔ یہ

کہہ کر وہ مڑا۔ وہ ایک لمبے قد کا نوجوان آدمی تھا۔ چہرہ چوڑا

تھا اور بہت سخت نعتش و نگار تھے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے

وہ باہر نکل گیا۔ اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"اللہ رحم کرے۔ اب لڑکیاں بھی چوری کرنے لگیں؟ اخلاق

نے کانپ کر کہا۔

"تو لڑکیاں چوری کب نہیں کرتی تھیں۔ آنکھنور صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں بھی تو ایک فاطمہ نامی عورت نے چوری کی سنی۔

جس کی سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا تھا۔ اگر میری بیٹی فاطمہ

بھی چوری کرتی تو اس کی بھی ماتہ کاٹے جاتے؟ اشفاق نے جلدی

جلدی کہا۔

ایک بات عجیب ہے۔ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

حیرت ہے۔ آپ کے اس معاملے میں بھی کوئی عجیب

بات نکال کر لی: اخلاق بولا۔

ڑکی نے کہا تھا۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔ گویا اسے معلوم

تھا کہ ہم کون ہیں، کیا کام کرتے ہیں۔ تو کیا وہ جان بوجھ کر

ہمارے دفتر میں داخل ہوئی تھی۔ اور اگر۔ وہ جان بوجھ کر

داخل ہوئی تھی تو چور نہیں ہو سکتی۔

خیر، ہمیں اس خوش فہمی میں بھی مبتلا نہیں ہو جانا چاہیے۔

کہ ہمارے ہاں آنے والا کوئی شخص چور نہیں ہو سکتا۔ اشفاق نے

انکار میں سر ہلایا۔

اسی وقت امتی جان دوبارہ اندر داخل ہوتے ہوئے

بولیں:

مجھے تو وہ ڑکی سو فیصد چور معلوم ہوئی تھی۔ ٹانپ کس

طرح رہی تھی۔

ارے امتی جان۔ آپ ابھی تک خالد جان کے ہاں نہیں گئیں:

اخلاق نے حیران ہو کر کہا۔

نہیں۔ دیکھنے کے لیے ڑک گئی تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے:

خیر۔ اب تو آپ دیکھ چکی ہیں۔ چل جائیے۔ ہم اب جان

بیتا دیں گے:

ٹھیک ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے پاس ریزگاری

نہیں ہے۔ اور یہ دنگنوں والے ٹوٹے ہوئے پیسے مانگتے ہیں۔

تم میں سے کسی کی جیب میں ریزگاری ہو تو دے دو:

تو امتی جان۔ آپ رکشے میں بیٹھ کر چلے جائیے نا۔ میں

نے فوراً تجویز پیش کی۔

رکشے والے کو بھی ریزگاری دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔

ضروری تو نہیں کہ پورے پورے روپے ہی بن جائیں، کچھ پیسے

اوپر بھی بن سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔

لیکن اوپر بننے والے پیسوں کا تو پورا روپیہ ہی وصول کیا

جاتا ہے۔ اخلاق مسکرایا۔

میں کبھی نہیں دیتی۔ جتنے پیسے بنتے ہیں، اتنے ہی

دیتی ہوں۔ لہذا تم لوگ اپنی ریزگاری بچانے کے

لیے آئیں بائیں شاہیں نہ کرو اور اپنی اپنی جیبوں میں

ہاتھ ڈالو:

جی۔ جی بہتر۔ چلو بھئی۔ سب جیبوں میں ہاتھ ڈالو:

میں نے انہیں ہدایت دی۔

ہمارے ہاتھ مشینی انداز میں جیبوں میں رینگ گئے۔

ارے۔ باب۔ باب۔ باب۔ آفتاب جیب میں ہاتھ

ڈالتے ہی ہٹلایا۔
"کیا ہوا۔ جیب میں کوئی بچھو تو نہیں اور اس نے تمہارے
ہاتھ پر کاٹ تو نہیں لیا۔" انفاق نے بتا کر کہا۔
"نہیں۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔
"تو پھر جیب میں سے کچھ گر گیا ہے۔" خیر فکر نہ کرو۔
تمہاری جیبوں میں ریزنگاری موجود ہے۔" میں نے سکے میز پر ڈالتے
ہونے کہا۔ اشتاق اور انفاق نے بھی یہی کیا۔ آفتاب کا ہاتھ
ابھی تک جیب میں تھا۔
"اوہ میں سمجھ گیا۔" اس نے جیب میں گوند کی شیشی
رکھ لی تھی۔ وہ اندر الٹ گئی۔ اب اس کا ہاتھ جیب کے
ساتھ چپک گیا ہے۔" انفاق نے بتا کر کہا۔
"افسوس یہ بات بھی نہیں؟ آفتاب کھوئے کھوئے
لبے میں بولا۔

"تو پھر کیا بات ہے۔" میں نے اسے گھورا۔
"وہ۔ وہ لڑکی؟ آفتاب ہٹلایا۔

"یہ اب پھر اس لڑکی کا کیا ذکر نکل آیا۔" میں نے
حیران ہو کر کہا۔ "دیئے وہ تمہاری جیب میں تو ہرگز نہیں
آسکتی۔"

"یہ۔ یہ دیکھیے۔" یہ کہہ کر اس نے ہاتھ باہر نکالا۔

یا۔

ہم نے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت ہی خوبصورت
مینک چمک رہی تھی۔

عینک

"اُٹ۔ اتنی خوبصورت عینک۔ اتنی جان نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ پھر آفتاب کے ہاتھ سے اسے جھپٹ لیا اور آنکھوں پر لگا لیا۔ دوسرے ہی لمحے ان کے مزے خوفزدہ انداز میں نکلا۔"

"اُٹ اللہ۔ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔"

"اتنی جان۔ آپ اس عینک میں سے ہم سب کو دیکھ رہی ہیں۔ میں نے گھبرا کر کہا۔"

"تم۔ تم نہیں جانتے۔ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ ٹھہرو۔"

"یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑی اور اندر پرتی گئیں۔ ہم حیران رہ گئے۔"

"یا اللہ! اتنی جان کو عینک میں سے کیا نظر آ گیا۔ اخلاق کے مزے سے نکلا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ اس کا روالے کا بیان درست تھا۔ وہ بڑی واقعی چور تھی۔ میں نے سوچ میں گم لمحے میں کہا۔"

"اُٹ۔ اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ اخلاق بولا۔"

"تب تو یہ عینک نہیں ان لوگوں کو دینا پڑے گی۔ اور اب وہ ہمارے پاس آئیں گے نہیں۔" اخلاق نے کہا۔

"غیر کوئی بات نہیں۔ ہم اخبار میں اشتہار دے دیں گے۔ وہ آکر لے جائیں گے۔ میں نے تجویز پیش کی۔"

"سوال تو یہ ہے کہ اتنی جان کو عینک میں سے کیا نظر آ گیا۔ آفتاب بہت حیران تھا۔"

"یہ تو اتنی جان ہی بنا سکتی ہیں۔ اسی وقت اندر سے آواز آئی۔"

"لڑکو۔ جلدی ادھر آؤ۔ دیکھو۔ ہمیں کیا چیز ملی ہے۔"

"ہم دوڑ کر اندر پہنچے۔ عینک اتنی جان کی آنکھوں پر نظر آئی اور وہ بار بار مختلف چیزوں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ بڑبڑائیں۔"

"سونا۔ سونا ہی سونا۔"

"جی کیا مطلب؟ میں حیران رہ گیا۔"

"وہ۔ تم بھی دیکھ لو۔ لیکن۔ میں زیادہ دیر کے لیے لگانے کی اجازت نہیں دوں گی۔ اس عینک کو میں کسی کو بھی نہیں دے سکتی۔"

"اتنی جان۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں نے جلدی سے کہا۔"

پہلے بیگ لگا کر دیکھو۔ پھر مجھ سے بات کرنا۔ انہوں نے سنا دیا۔ میں نے بیگ ان کے ہاتھ سے لی اور آنکھوں پر لگا لی۔ وہاں پر حیران کی تھی۔ گھر کی ہر چیز ایک وقت سنہری ہو گئی تھی۔ بالکل یوں لگا جیسے میں سونے کے بنے ہوئے گھر میں کھڑی ہوں۔ جس کی ہر چیز سونے کی بنی ہوئی ہو۔

"کمال ہے۔ کہیں یہ جادو کی بیگ تو نہیں ہے۔ میرے من سے نکلا۔ اب تو ان تینوں سے رٹا دیا گیا، ایک ساتھ ان کے ہاتھ بیگ کی طرف بڑھے۔ اور دوسری تانخی میری ناک اور گالوں پر خراشیں ڈال گئے۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے؟ میں چلا آٹھا۔

"یہ بد تمیزی نہیں بھائی جان۔ بیگ۔" اشفاق نے ہنس کر کہا اور بیگ آنکھوں پر لگا لی، لبا ہونے کی وجہ سے اخلاق اور آفتاب سے پہلے اس کا ہاتھ بیگ تک پہنچا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے من سے نکلا:

"یا اللہ۔ اتنا سونا"

فورا اخلاق نے بیگ اس کے ہاتھ سے لے لی، اس کے بعد آفتاب نے بھی بیگ میں سے دیکھا اور پھر ہم چوٹک اٹھے، ارشد مسکسی صورت بنائے کھڑا تھا، گویا کہ رٹا ہو:

"میں بھی تو بیگ میں سے دیکھنا چاہتا ہوں؟ آفتاب نے

بیگ اسے دے دی۔ پھر جونہی اس نے بیگ لگائی۔ اتنی جان نے اس کے چہرے سے آندھ لگی اور بولی:

"ہیس۔ اس سے زیادہ دیر تک دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، کہیں تم لوگ سدا سوتا ختم نہ کر دو۔"

ہم ہنسی پڑے، پھر فوراً سنبھید ہو گئے، اس لڑکی اور کاروانوں کا خیال آگیا تھا۔ میں اسی وقت فون کی گھنٹی بجے کی آواز سنائی دی۔ ہم پھر دفتر کی طرف پکے۔

"لوگو۔ میں جا رہی ہوں۔ یہ بیگ بھی ساتھ لے جاتا رہی ہوں۔"

ہم کوئی جواب نہ دے سکے۔ دفتر میں داخل ہوئے ہی تھے کہ کچھ لوگ سڑک پر دوڑتے نظر آئے۔ ہمیں بہت حیرت ہوئی کہ ان لوگوں کو کیا ہوا۔ اور فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

"میں فون سننا ہوں۔ تم لوگ ان دوڑتے لوگوں میں سے کسی سے معلوم کرو۔ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ اندھا دھند کہاں دوڑے جا رہے ہیں؟ میں نے جلدی سے کہا اور ریسپور اٹھا لیا، اشفاق، اخلاق اور آفتاب دفتر سے نکل گئے۔ ارشد حیرت زدہ سا میری طرف اور کبھی سڑک کی طرف دیکھنے لگا:

"ہیلو۔ شو کی بول رہا ہوں؟ میں نے ریسپور اٹھا کر کہا۔

م۔ میں۔ میں کاشان ہوں: دوسری طرف سے سب انکسار
کاشان کی برکھائی ہوئی آواز سنائی دی۔
خیر تو ہے۔ آپ بہت گھبرائے ہوئے معلوم ہو رہے

ہیں۔
بات ہے بھی گھبرانے والی۔ میرے علاقے میں آج تک
اس قدر خوفناک واردات نہیں ہوئی۔ یہ میری زندگی کی سب
سے خوفناک واردات ہے۔ میں بہت پریشان ہو گیا ہوں اور
پریشانی کے عالم میں کچھ بھی سمجھائی نہیں دے رہا ہے۔ اس
یلے میں نے تم لوگوں کو فون کیا ہے۔ مہربانی فرما کر جلدی سے
یہاں آ جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میرے ایس پی یہاں پہنچیں۔ میں
تم لوگوں کا مشورہ لے لینا چاہتا ہوں۔

جی ہسٹر۔ ہم حاضر ہو جاتے ہیں: میں نے کہا۔
لیکن کہاں۔ تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں۔ میں اس وقت
دام داس بڈنگ میں موجود ہوں۔ اور یہ بڈنگ کلیم روڈ پر
ہے۔ دروازے پر کانسٹیبل پہرہ دے رہے ہیں۔ لیکن وہ تم
لوگوں کو نہیں روکیں گے۔ میں نے انہیں ہدایات دے دی
ہیں۔

ہوا کیا ہے اٹکل۔

بس۔ میں آکر دیکھ لو۔ کہ دن داڑے کیا ہوا ہے:

اچھی بات ہے۔ ہم آرہے ہیں: میں نے کہا۔ ریسید رکھا
ہی تھا کہ وہ تینوں اندر داخل ہوئے۔
شرک پر آگے جا کر کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ اشفاق نے
کہا۔

اوہ۔ اچھا۔ تو پھر چلو۔ ہمیں اٹکل کاشان نے یاد فرمایا
ہے:

انہیں یاد فرمانے کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی: آفتاب نے
جیران ہو کر کہا۔

سننا ہے، کوئی خوفناک واردات ہو گئی ہے: میں نے
آٹھے ہوئے کہا۔

ارشاد۔ ہماری واپسی نہ جانے کب ہو۔ وقت ہو جائے تو
دفتر بند کر دیتا، لیکن آبا جان کا انتظار ضرور کر لینا، ورنہ وہ پریشان
ہوں گے کہ صبح صبح سب کہاں چلے گئے: میں نے جلدی جلدی کہہ
اس روز جیسے کا دن تھا اور جمعہ کے روز ہم صبح سویرے ہی دفتر
کھول کر بیٹھ جاتے تھے۔

جی ہسٹر: اس نے کہا۔ ہم باہر نکلے تو دور دور تک کوئی ٹیکسی
نہیں تھی۔ شاید سب کی سب حادثے کی طرف چل گئی تھیں۔
آخر ہم نے پیدل مارچ کا پروگرام بنایا۔ اس امید پر کہ شاید آگے
چل کر کوئی ٹیکسی مل جائے۔

بس منت تک پہنچتے رہنے کے بعد ایک جگہ بے پناہ بیز
نظر آئی۔ یہ شہر کانٹیل لوگوں کو پیچھے ہٹانے میں مصروف

تھے۔ شاید یہاں ہوا ہے حادثہ: اشتاق بڑاڑا۔

ہم بیڑے غور کو پھاتے ہوئے آگے نکلتے چلے گئے۔
جائے حادثہ بیڑ کی دہرے سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ مین اسی وقت
ایک ٹیکسی ہمارے پاس سے گزری اور مزے کی بات یہ کہ خیال
تھی، بعد میں نے اسے رکنے کا اشارہ دیا اور پھر ہم اس میں
سوار ہو کر روانہ ہوئے۔

حادثے کے بارے میں کچھ معلوم ہے آپ کو؟ میں نے
ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا۔

نہیں۔ معلوم کرنے کے لیے آ رہا تھا کہ آپ نے اشارہ دے
دیا۔ صبح کے اخبارات میں پڑھ لیں گے: اس نے لاپرواہی سے
کندھے اچکائے۔

ٹیک آؤ گھنٹے بعد ہم رام داس بڈنگ کے سامنے
کھڑے تھے۔ یہ ایک کافی بڑی عمارت تھی، دروازے پر
چار کانٹیل موجود تھے۔ عمارت کے سامنے بہت سے لوگ
کھڑے کھڑ پھر رہے تھے۔ شاید انہیں بھی واردات کی سن
گئی تھی۔ نہ بھی ملتی تو بھی کانٹیلوں کو دیکھ کر لوگ

کھڑے ہو جایا کرتے ہیں۔

ہم آگے بڑھے تو کانٹیل چونک اٹھے۔

”کہاں بڑھے آ رہے ہو؟ ایک کانٹیل نے نفرت سے

منہ سکڑا۔

”اندر جانے کے ارادے سے آئے ہیں۔ میں نے اگر کوئی

کہا۔

”اندر جانے کی کسی کو بھی اجازت نہیں۔“

”شوکی اینڈ کو، کو بھی نہیں؟“ آفتاب نے جمل کر کہا۔

”اوہو۔ تو یہ آپ لوگ ہیں۔ کمال ہے۔ اچھا چلے جائیے

اندر؟ ان میں سے ایک نے حیران ہو کر کہا۔

”لیکن اس میں کمال کی کیا بات ہے؟“ میں نے برا مان کر

کہا۔

”اوہ۔ ہاں۔ معاف کیجیے گا۔ اس میں تو واقعی کمال کی

کوئی بات نہیں۔ کانٹیل نے گرد بڑا کر کہا۔

”اور آپ کو اتنی آسانی سے۔ یعنی ہمارا نام سنتے ہی اندر داخل

ہونے کی اجازت بھی نہیں دینی چاہیے تھی۔“

”کیا مطلب؟“ وہ ایک ساتھ بولے۔

”یہ تو کوئی بھی آکر کہہ سکتا ہے کہ ہم شوکی اینڈ کو ہیں۔“

آپ کو چاہیے تھا، پہلے ثبوت مانگتے، پھر اندر جانے کی اجازت

دیتے: اور یہ بھی ٹیک ہے۔ تو پھر دکھائیے جوت: ایک کا ٹیکل



نے فوراً کہا۔
"جی ہاں، کیوں نہیں؟ میں نے اپنا کارڈ نکال کر دکھایا اور
پھر اندر داخل ہوئے۔"

دروازے کے سامنے ایک طویل برآمدہ تھا۔ اس برآمدے
کے آخر میں ایک کمرے کا دروازہ نظر آیا، یہ کھلا تھا اور اندر
پہل پہل نظر آرہی تھی۔ ہم اس طرف قدم اٹھانے لگے۔
نزدیک پہنچنے پر معلوم ہوا۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا۔
گیا ہاں تھا۔ اندر کاشان کے علاوہ بہت سے کانسٹیبل موجود
تھے۔ کاشان پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر ٹھہل رہا تھا۔ ہمیں
دیکھتے ہی تیزی سے مڑا اور بولا:

"اچھا ہوا۔ تم لوگ آگئے۔ آؤ۔ دیکھو۔ کیا اندھیر مچا رکھا ہے
لوگوں نے؟"

ہم اندر داخل ہوئے اور پھر دھک سے رہ گئے۔ ہال
کے فرش پر تین آدمی مردہ پڑے تھے۔ ان میں سے دو کئے ہاتھ
میں بے چلوں والے چاقو تھے۔ تیسرا خالی ہاتھ تھا۔ البتہ ایک
چاقو اس کے نزدیک ہی فرش پر پڑا تھا۔ فرش کا بہت سا
حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے اکل؟
"یہی جاننے کے لیے تو تم لوگوں کو بلایا ہے۔ میری تو عقل
ضبط ہو کر رہ گئی ہے۔ بنظر ہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ
تینوں کسی بات پر لڑ پڑے اور آپس میں ہی ایک دوسرے کے
ہاتھوں مارے گئے۔"

"جی ہاں۔ نظر تو یہی آتا ہے۔" میں نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ یہ عمارت کس کی ہے۔ کیا ان کا تعلق عمارت
سے ہے۔ یہ لوگ ہیں کون؟" اشتاق نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ عمارت ایک ہندو کی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے وہ ایک دوسرے
ملک اپنے عزیزوں سے ملنے گیا تھا، پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ اس
وقت سے یہ بند پڑی تھی۔ آس پاس کے لوگوں نے یہی بتایا
ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کچھ لوگ اسے خفیہ طور پر
استعمال کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم
نہیں ہو سکا۔ تمام پولیس اسٹیشنوں کو ان کی تصاویر اور انگلیوں
نشانات بھیجے جائیں گے۔ شاید اس طرح کچھ معلوم ہو جائے۔
غیب ترین بات یہ ہے کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس پر

جگڑا ہوا ہو۔ یعنی دولت یا کسی قیمتی چیز کا یہاں نام و نشان ملے
نہیں۔ پھر آخر یہ کس چیز پر لڑ پڑے؟

”مسافر واقعی عجیب و غریب ہے۔“ میں بڑبڑایا اور
پلورے ہال کو بخود دیکھنے لگا۔ فوٹو گرافر حلقہ زانو یوں سے
لاٹھوں کی تعمیریں سے رہے تھے۔

”آپ کو اس واردات کی خبر کیسے ہوئی؟“ آفتاب نے پوچھا
”ایک پڑوسی نے فون کیا تھا۔ اس نے اس عمارت میں
”جینج و پکار کی آوازیں سنی تھیں۔ ہم یہاں پہنچے تو یہ تینوں
پلے نظر آئے۔ ان میں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ باہر کچھ لوگ کھڑے
تھے۔ انہوں نے بھی یہی بتایا کہ اندر سے خوفناک آوازیں سنائی
دی تھیں۔“

”تو کیا ان لوگوں نے کسی کو باہر نکلتے یا بھاگتے نہیں دیکھا؟“ میں
نے پوچھا۔

”نہیں۔“ شکل یہ ہے کہ اس عمارت کا ایک پچھلا دروازہ بھی
ہے۔ اور وہ دوسری سڑک پر نکلتا ہے۔ وہ سڑک بند ہے۔
اس پر آمد و رفت نہیں ہوتی۔ ٹوٹی پھوٹی پڑی ہے۔ یوں
جگہ یہ آبادی شہر کے ایک کنارے پر واقع ہے۔ پچھلی سڑک
شہری حدود کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ اندر کوئی
گھر بھی موجود نہ ہو اور پچھلے دروازے سے گزار ہو گیا ہو۔ اس

صورت میں اسے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”اور۔۔۔ تب تو ہم پچھلے اس دروازے اور سڑک کو دیکھیں پاس

کریں گے؟“ افلاق نے چمک کر کہا۔

”آؤ۔ میں دکھاتا ہوں۔“

سب انسپکٹر کا شان نہیں لے کر وہیں سے نکل آیا اور

برآمدے سے ہوتا ہوا چکر کاٹ کر پچھلے دروازے تک پہنچا۔

دروازہ چھٹ ٹکڑا تھا اور ٹوٹی پھوٹی سڑک صاف نظر آ رہی تھی۔

ہم سڑک پر آ گئے۔ میں اسی وقت میری نظر ایک پھوٹی سی چیز

پر پڑی۔ میں اس کی طرف بڑھنے کے بارے میں سوچ رہا

رہا تھا کہ ایک کالشیبل دوڑتا ہوا آیا اور ٹہپتے ہوئے بولا:

”سر۔ وہ۔ وہ آ گئے ہیں۔“

”کون آ گئے ہیں۔ اور۔ ایس پی صاحب؟“ کا شان نے

جلدی سے کہا۔

”نہ۔ جی ہاں۔“

”اور اچھا۔“ اس نے کہا۔ پھر ہماری طرف مڑا:

”آؤ جی۔ تم بھی آؤ۔“

ہم وہیں سے واپس مڑے اور اندر داخل ہوئے۔ ہال

میں ایک لمبے قد کے پولیس آفیسر کھڑے لاٹھوں کو گھور رہے تھے

قد حوال کی آواز سن کر مڑے اور بولے:

”یہ اندازہ لگایا، سڑکاشان؟ ساتھ ہی ان کی نظریں ہم پر

پڑی اور وہ چونک کر بولے:

”یہ کون لوگ ہیں؟“

”یہ۔۔۔ یہ شوکی برادرزہیں جناب عالی؟“

”شوکی برادرزہ؟ انہوں نے سوائے نظروں سے کہا اور پھر

بکھر جانے والے انداز میں بولے:

”اوہ۔۔۔ سمجھا۔ لیکن ان کا یہاں کیا کام؟“

”مم۔۔۔ میں نے بتایا تھا۔“

”ہوں خیر۔۔۔ ہاں تو کیا اندازہ لگایا۔“

”یہ تینوں آپس میں لڑ پڑے۔ اور ایک دوسرے کے ہاتھوں

مارے گئے۔ لیکن اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہاں کوئی

اور شخص بھی موجود رہا ہو۔ کیوں کہ پچھلا دروازہ کھلا ملا ہے۔“

”پچھلا دروازہ۔ تو کیا اس عمارت میں کوئی اور دروازہ بھی ہے؟“

ایسی پی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

”جی ہاں۔ آئیے میں دکھاتا ہوں۔“ اس نے کہا اور انہیں

عمارت کے بارے میں بتانے لگا۔ ہم ایک بار پھر پچھلے دروازے

سے نکل کر ٹوٹی پھوٹی سڑک پر آ گئے۔ ہر چیز جوں کی توں پڑی

تھی۔ ایسی پی صاحب نے دروازے اور سڑک کا جائزہ لیا اور پھر

گے بڑھنے لگے۔

”ٹھیک ہے کاشان۔ دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ اب

ہم یہ کرنا ہے کہ یہ لوگ ہیں کون اور اس عمارت میں کیا کرتے

ہے ہیں۔ ان کے پاس عمارت کی چابی کہاں سے آگئی۔ کیونکہ بڑا

دروازہ کھلا ملا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ عمارت پہلے سے ان

کے استعمال میں تھی۔ کیا خیال ہے؟“

”جی ہاں۔ پڑوسیوں نے بھی یہی بتایا ہے۔ کہ عمارت میں

کچھ دنوں سے ان لوگوں کا آنا جانا تھا۔ لیکن انہوں نے ان تین آدمیوں

کے علاوہ کسی اور کو اندر آتے جاتے نہیں دیکھا۔ آس پاس

بہت غریب اور سیدھے سادے لوگ رہتے ہیں۔ دوسروں کے

معاملات سے الگ تھلک رہنے والے۔ لہذا انہوں نے ان

لوگوں سے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس عمارت

کو کس قانون کے تحت استعمال کرتے ہیں۔ آج بھی اگر چیخ و پکار

کی آوازیں سننے میں نہ آتیں تو شاید یہ لاشیں کئی روز تک پڑی سڑکی

رہتیں اور پھر ان کی سڑانٹھ ان میں سے کسی کو متوجہ کرتی۔“

”ہوں۔۔۔ ایسی پی صاحب کے منہ سے نکلا۔ ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے وہ اب

اس چیز تک پہنچ گئے تھے۔ پھر وہ بے خیالی میں جھکے اور

اسے اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر ہاتھ سے گرا

دیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اشفاق، اخلاق اور آفتاب

میری دل کیفیت سے بے خبر تھے۔ پھر ایسی پی صاحب واپس

میں تو کا شان سے ہی رپورٹ طلب کروں گا۔ اچھا بھئی۔

میں چلتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تیز تیز چلتے عمارت میں داخل ہو گئے۔ سب انپکٹر کا شان نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن میں وہیں کھڑا رہ گیا،

معلوم ہوتا ہے، آپ نے اندر داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیا ہے؟ اشفاق نے کہا۔

اے۔۔۔ یہی سمجھ لو۔

شاید آپ ایس پی صاحب کی باتوں کا برا مان گئے؟ اشفاق نے کہا۔

نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمیں دوسروں کی باتوں کا برا نہیں مانتا چاہیے، اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ آؤ میرے ساتھ میں نے تمکرا کر کہا۔

کہاں کا ارادہ ہے۔

میں نہیں سمجھا۔ تم نے ان لوگوں کو بلانے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟

جی ہاں ایسے ہی۔ ایسے معاملات میں ان کے ذہن خوب چلتے ہیں۔ میں نے سوچا۔ شاید یہ کوئی کام کی بات نوٹ کر سکیں؟

کیوں بھئی۔ کیا تم لوگوں نے کوئی کام کی بات نوٹ کی ہے؟ ایس پی صاحب کے لیے میں گہرا طنز تھا۔

نہیں۔۔۔ اے۔۔۔ جی نہیں؟ میں ہکا بکا۔

اب اس میں ہے یا نہیں؟ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

جی، دونوں میں؟ آفتاب بول اٹھا۔

نہیں۔۔۔ دونوں میں۔ مگر یا تم نے کوئی خاص بات نوٹ کی ہے اور نہیں سمجھا۔

ہاں، کچھ ہو سکتا ہے؟ ان کے لیے میں حیرت مچا رہا تھا۔

یہ ایک مناسب۔ شاید وہ اس بات پر ہاں کہہ دیں۔

نہیں۔۔۔ اہل اہم بات دہرائیں گے بلدی سے کہا۔

نہیں۔۔۔ اہل اہم بات دہرائیں گے بلدی سے کہا۔

نہیں۔۔۔ اہل اہم بات دہرائیں گے بلدی سے کہا۔

آواز سنی ،
"بہی کہاں رہ گئے۔ آؤ تا۔ ایس پی دلاور شاہ تو ہا بھی
پکے ہیں۔"

ہے: اطلاق نے مل کر کہا۔
میں اب پھر سڑک پر چل رہا تھا۔ تینوں جھلکے ہوئے
انداز میں میرا ساتھ دے رہے تھے۔ میری حیرت اور
الہام میں برابر اضافہ ہو رہا تھا، لیکن انہیں اس کا کوئی احساس
نہیں تھا۔

"ایسا مسموم ہوتا ہے۔ جیسے ہم کسی بڑے معاملے
میں پھنس گئے ہیں۔ میں نے بڑ بڑانے کے انداز میں
کہا۔

"بڑے معاملے میں۔ کیا مطلب۔ مجھے تو یہاں دور دور
تک کوئی چھوٹا سا معاملہ بھی نظر نہیں آتا۔ آفتاب بولا۔
"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تمہارا مشاہدہ کمزور ہے۔
میں نے فوراً کہا۔

"اب میں اپنے مشاہدے کو ڈنڈ لگایا کروں گا۔ تاکہ یہ
طاقت ور ہو جائے۔ آفتاب نے منہ بنا کر کہا۔

اب میں اس چیز کے نزدیک پہنچ گیا تھا، جسے میں
پہلے ہی دیکھ چکا تھا اور میرے بعد ایس پی صاحب نے
اٹھا کر پھر نیچے گرا دیا تھا۔ میں غیر محسوس طور پر جھکا اور
اسے اٹھایا۔ میں اسی وقت ہم نے سب الیکٹرک کاشان کی

نظری گویا جم سی گئیں۔ وہاں ایک بوڑھی عورت کھڑی تھی۔
گھور رہی تھی، نہ ہانے کیوں میرے قدم اس کی طرف
اٹھنے لگے۔

بھائی جان لوگ

میں نے جلدی سے وہ چیز جیب میں رکھ لی اور ان کی
طرف مڑا۔

آپ پیسے اٹھلے۔ ذرا ہم اس سڑک کا جائزہ لینا چاہتے
ہیں۔

اچھی بات ہے۔ جائزہ لے کر اندر ہی آ جانا۔ اس نے کہا
اور واپس مڑ گیا۔

میں قدم اٹھانے لگا۔

کیا آپ کے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟

ہاں۔ کئی خاص باتیں میرے ذہن میں کھلا رہی ہیں۔ میں جلد
از جلد واپس جانا چاہتا ہوں۔ میں بولا۔

تو پھر پیسے۔ آپ کو روک کون رہا ہے؟ آفتاب بولا۔

ہاں پلو۔ میں نے کہا اور مڑنے ہی لگا تھا کہ ٹوٹی پھوٹی
سڑک کے کنارے ٹوٹے پھوٹے ایک مکان کے دروازے پر

ہماری جیبوں کی ریزگاری پہلے ہی اتنی جان بکھرا چکی ہیں۔
آفتاب نے گویا خبردار کیا، شاید وہ یہ سمجھا تھا کہ میں بوڑھی عورت
کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ جو نہی بڑھیا کے کانوں میں قدموں کی
آواز گئی، وہ بول اٹھی:

تم آگے بیٹے۔ کہاں وہ گئے تھے۔ میں تو پریشان ہو
گئی تھی۔

تو آپ کو اپنے بیٹے کا انتظار ہے ماں جی۔ افسوس۔
میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔ وہ کہاں گیا ہے؟

تت۔ تم۔ تم۔ تم کون ہو؟ بڑھیا نے چونک کر کہا۔

ہم۔ آپ ہمیں راغبیر سمجھ لیں۔ آپ کا بیٹا کہاں گیا ہوا

ہے؟ میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

گل۔ کہیں بھی نہیں۔ اور تم غلط سمجھے بیٹے۔ میں اپنے

بیٹے کے لیے نہیں۔ بیٹی کے لیے پریشان ہوں۔ پیار سے میں

اسے بیٹا کہتی ہوں۔ تھوڑی دیر پہلے تو گھر میں ہی تھی۔ کچھ

کے بغیر باہر نکل گئی۔ کافی دیر ہو گئی اسے گئے ہوئے۔ اب

ایک لوٹ کر نہیں آئی۔ یہ کہہ کر اس نے خالی خالی نظروں سے

بھاری طوفان دیکھا۔ ہم چونک اٹھے۔
کیا آپ دیکھ نہیں سکتیں ماں جی؟ اشفاق درد بھرے لہجے
میں بولا۔

نہیں بیٹا۔ میں اندھی ہوں۔ اس اندھی کا سہارا بس وہی
بیٹی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

وہ کہاں جاسکتی ہے۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں؟
سکول سے آنے کے بعد وہ کہیں بھی نہیں جاتی۔ زیادہ
سے زیادہ اس سڑک پر گھوم پھر لیتی ہے۔ ادھر میں نے آواز
دی۔ ادھر وہ آگئی۔ لیکن آج تو میں اسے کتنی ہی آوازیں دے
چکی ہوں؟ اس کے لہجے سے شدید پریشانی جھلک رہی تھی۔
وہ کتنی عمر کی ہے۔ کون سی جماعت میں پڑھتی ہے۔
آپ ہمیں بتائیں۔ ہم ابھی اسے تلاش کر لاتے ہیں؟
اس کی عمر چودہ سال ہوگی۔ بہت لائق بچی ہے۔ نویں
جماعت میں پڑھتی ہے؟

کیا آپ کے خاندان کیسے باہر گئے ہوئے ہیں؟
نہیں۔ وہ پھل جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ انہی کی
پشتی پر ہم دونوں کی گڑبڑ ہو رہی ہے؟ بڑھیا کا لہجہ اور بھی
ہلکی ہو گیا۔

کیا آپ کی بیٹی نے کانوں میں کانٹے پہن رکھے ہیں؟

ہاں۔ ہاں۔ تم۔ یہ بات کسی طرح جانتے ہو؟ بڑھیا زور
سے چونک اٹھی۔

میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ تاکہ تلاش کرنے میں آسانی
ہو سکے؟ میں نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کہا۔ اب
اشفاق، اخلاق اور آفتاب کے چہروں پر بھی حیرت کے بادل تیرنے
لگے۔

ہاں۔ وہ نیلے رنگ کے کانٹے پہنے ہوئے ہے؟ اس نے کہا
اور میرا دل زور سے دھڑکا۔

لیکن ماں جی۔ آپ تو اندھی ہیں۔ آپ کو رنگ کے بارے
میں کیا معلوم؟

اس نے بتایا تھا کہ اس کی سیلی نے اسے نیلے رنگ کے
کانٹے تھنے میں دیے ہیں؟
ہوں ٹھیک ہے۔ آپ اطمینان سے اندر بیٹھیں۔ ہم اس
کی تلاش میں نکلتے ہیں؟

یہ کہہ کر میں مڑا۔ میرا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔ ہاتھ
باہر نکلا تو اس میں وہی کانٹا تھا جو میں نے سڑک پر سے
اٹھایا تھا اور جسے ایس پی دلاور شاہ نے اٹھانے کے بعد گرا دیا
تھا۔ غیر اہم سمجھ کر۔

لیکن یہ کانٹا اب میرا سکون برباد کر چکا تھا۔ میں نے

ہے چہ ہو کر کہا:

آؤ جلدی کرو:

ہم اس پرانی سڑک پر دوڑتے چلے گئے۔ پھر کاٹ کر
رام داس بڈھنگ کے صدر دروازے کی طرف آئے۔ راستے
میں کہیں کسی لڑکی کے آثار نظر نہ آئے۔ کاشان ہمیں دیکھ کر چونک کر

آٹھا:

تو تم لوگ پھلی سڑک پوری دیکھ آئے:

جی ہاں۔ اور اب ہم اجازت چاہتے ہیں۔ ان تینوں کے
بارے میں کوئی نئی بات معلوم ہو تو بتا دیجیے گا:
"اچھی بات ہے۔ تم لوگوں کا شکریہ:"

کوئی بات نہیں: یہ کتنے وقت ہم نے ہال کے فرش کی
طرف دیکھا۔ لاشیں اشوا دی گئی تھیں۔ سڑک پر آکر ہم نے
ایک ٹیکسی روکی اور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حادثے کی جگہ پہنچ
کر میں نے ٹیکسی رکوالی اور نیچے اتر آیا۔

آج یہاں بہت کم لوگ کھڑے تھے۔ پولیس جا چکی تھی۔
سڑک پر ایک جگہ خون پھیلا ہوا تھا اور اس کے گرد ایشیں رکھ
دی گئی تھیں:

کیا آپ ہمیں حادثے کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں: میں نے
وہاں کھڑے لوگوں میں سے ایک سے پوچھا۔

کیوں نہیں۔ ایک کار ایک نوجوان لڑکی کو کچلتے ہوئے نکل

گئی تھی۔ کار والے رُکے نہیں۔ لڑکی نے موقع پر ہی دم توڑ
دیا تھا: تماشاخی نے بتایا۔

اوہ: میں نے اپنا دل ڈوبتا محسوس کیا۔ پھر میں پبلک فون
بوٹھ کی طرف بڑھا۔ اور انسپکٹر جلدی نور کے نمبر ڈائل کیے۔
سند فوراً ہی مل گیا:

"ہیلو۔ جلدی نور بول رہا ہوں۔ پولیس اسٹیشن نصیر آباد
سے۔ آپ کون ہیں: اس کی کھردری آواز سنائی دی۔
"م۔م۔م۔ میں۔ میں۔ سشش: اس کی کھردری آواز نے مجھے
ہلکانے پر مجبور کر دیا۔

"یہ م۔م۔م۔ سشش کیا ہوتا ہے: اس نے ناخوش گوار لہجے میں
پوچھا۔

"یہ۔۔۔ یعنی کہ یہ شوکی ہوتا ہے: میں نے جھٹ کر کے کہا۔
"اوہ۔ تو یہ آپ ہیں، فرمائیے۔ فون کرنے کی زحمت کسی
طرف گوارا کی: اس کے لہجے میں گہرا طنز در آیا۔

"کچھ دیر پہلے شاہ روڈ پر ایک حادثہ ہوا ہے۔ جس میں ایک
لڑکی ایک کار کے نیچے آکر کھلی گئی تھی۔" میں بولا۔

"اچھا تو پھر؟" اس نے کسی قدر حیران ہو کر کہا۔

"آپ کا اس حادثے کے بارے میں کیا خیال ہے: میر

نے پا چلا۔
تم نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ میں تمہیں اپنے خیالات بتانے
کا پابند ہوں؟ اس نے جمل نہیں کر کہا۔
جی۔ جی۔ جی نہیں تو۔ یہ بات تو میں نے کبھی خواب
میں بھی نہیں سوچی۔

اور سوچنا بھی نا۔ بس یا اور کچھ؟
آپ کو یقیناً اس روکی کے گھر اور گھر والوں کی تلاش ہو گی۔
تا کہ آپ لاش ان کے حوالے کر سکیں۔
ہاں ہاں۔ کیا تم اس کے گھر والوں کو جانتے ہو؟
پتہ تو نہیں۔ صرف خیال ہے کہ جانتا ہوں۔
بھدی بتاؤ۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔
آپ کا اس حادثے کے بارے میں خیال کیا ہے؟ میں
نے کہا۔

کیا مطلب۔ کیا تم وہاں ڈالنا چاہتے ہو۔ خیر کئی تو۔
میرے خیال میں یہ ایک حادثہ تھا، روکی غلط جگہ سے سڑک
پار کر رہی تھی۔ کار کی پیٹ میں آگنی۔ کار والے یا والوں کی
غفلت یہ ہے کہ ہائے حادثہ سے فرار ہو گئے۔ ر کے نہیں۔ ان کا
فریضہ تھا کہ رگ جاتے؟

بہت بہت شکریہ۔ کیا اس کے کانوں میں نیلے رنگ کے

کانٹے بھی ہیں۔ یا آس پاس سے بٹے ہیں؟
ایک کانٹا اس کے کان میں موجود ہے۔ لیکن دوسرا غائب
ہے؟ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔
تب اس روکی کا گھر یکم روڈ، رام داس بڈنگ کے پچھلی
طرف والی ٹوٹی پھوٹی سڑک پر ہے۔ وہاں ایک اندھی عورت
رہتی ہے۔ غائب وہ اندھی عورت اس کی ماں ہے؟
لیکن۔ تمہیں یہ باتیں کس طرح معلوم ہو گئیں؟ اس نے
حیران ہو کر کہا۔

جی بس۔ اتفاق سے۔ یہ حادثہ ہمارے دفتر سے کچھ ہی
فاصلے پر ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ سب انپکٹر کا شان صاحب
نے ہمیں کچھ دیر پہلے رام داس بڈنگ میں بلوایا تھا، وہاں ایک
واردات ہو گئی ہے۔ اس واردات کے سلسلے میں ہم پچھلی سڑک
پر نکل آئے تھے۔ وہاں ہم نے اس بوڑھی عورت کو دیکھا۔
وہ اندھی ہے۔ دروازے پر کھڑی اپنی بیٹی کا انتظار کر رہی
تھی۔ ہمارے قدموں کی آواز سُن کر سمجھی۔ اس کی بیٹی آگئی
ہے۔ اس طرح ہمیں معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی کافی دیر پہلے گھر
سے نکلی تھی، اب تک لوٹ کر نہیں آئی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ
اس کے کانوں میں نیلے رنگ کے کانٹے ہیں، جو اس کی سیلی نے
اسے بطور تحفہ دیے تھے۔ ہم وہاں سے واپس پھٹے۔ تو اس

نے نہایت ہوشیاری سے آفتاب کی ہیپ میں ڈال دی تھی۔
اس کا مطلب تو یہ بھی ہے کہ وہ جان بوجھ کر آفتاب سے ٹکرانی
تھی۔" اتفاق نے چنگ کر کہا۔

"منورہ یہ بات ہے۔ اب اگر ہم اتفاق سے اس سوک
پر نہ پہنچ پاتے تو شاید ہمیں اس لڑکے کے بارے میں کچھ معلوم نہ
ہو پاتا۔"

ہم دفتر کے دروازے پر پہنچے اور پھر ٹھٹھک کر رُک گئے۔
آٹھیس حیرت اور غوت سے پسٹل گئیں۔ ساتھ ہی ایک آواز کانوں
سے ٹکرانی،

"ہیلو دوستو۔ کہاں گھومتے پھر رہے ہو؟"



انہو وہ لمبے قد اور چوڑے چہرے والا میری کرسی پر اس
طرح بیٹھا تھا جیسے اس دفتر کا مالک وہی تو ہے۔ اس کے
ملاوہ بھی تین آدمی کرسیوں پر موجود تھے۔ ارشد تھر تھر کانپ رہا
تھا۔

"باہر کیوں رُک گئے دوستو۔ آج آؤ نا اندر؟ اس نے پھر
کہا۔

مادھے کی تنہیت معلوم ہوئی۔ خیال گزرا۔ ہو نہ ہو۔ کہیں اس
یوڑی عورت کی بیٹی تو مادھے میں نہیں ماری گئی۔ ویسے ابھی
نک یہ ہمارا سرٹ لیال ہے۔ ہو سکتا ہے بڑیا کی بیٹی گھر پہنچ
ہی چکی ہو؟ میں بلدی بلدی کہتا چلا گیا۔

"شکریہ۔ میں ابھی بڑیا کو بھراتا ہوں۔"

"لیکن فوراً نرمی سے۔ اس غریب پر تو غموں کا پہاڑ

ٹوٹ پڑے گا۔"

"جے جے جی کا سبق پڑھاؤ۔ میں انسان ہوں۔ جانور
نہیں۔ اس کے پیچ کر کہا اور ریسپور رکھ دیا۔

اب ہم اپنے دفتر روانہ ہوئے۔ بڑیا کے لیے دل بہت
دکھی ہو رہا تھا۔ سوچ رہے تھے۔ اس اندھی پر کی گزرے
گی۔ اس کی زندگی اب کیسے گزرے گی۔ آخر یہ سوال اتفاق
کے ہنٹوں پر آ رہی گیا،

"وہ ہے چاری تو بے موت مر جائے گی۔"

"ہم۔ ہم اس کے بیٹے بن کر دکھائیں گے۔ ہم اسے سہارا
دیں گے۔ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"بائل ٹیک۔ میں یہ کہنا ہی ہو گا۔ لیکن یہ چکر کیا ہے۔
اس لڑکے کے ماتہ وہ بیک کہاں سے لگی۔ وہ ہمارے پاس
کیوں آئی تھی۔ کیا بیک ہمارے حوالے کرنے۔ اور وہ اس

ہم ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہو گئے۔

تشریف رکھے۔ لیکن نہیں، آپ تشریف کہاں رکھیں گے،
دفتر میں اتنی کرسیاں کہاں ہیں۔ آپ لوگوں کو چاہیے۔ کچھ
کرسیاں اور خرید لیں۔

بست بستر۔ ہم ابھی خرید کر لاتے ہیں۔ میں نے کہا او
جلدی سے ودانے کی طرف مڑا۔

اسے اسے ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ جیسی۔ پہلے جانا شروع
کر۔ پہلے تو یہ سُن لو کہ ہمارا ایک ساتھی اندر بھی موجود ہے اور
اس نے پستول کی نالی آپ کے آبا جان کی کن پٹی پر رکھی
ہوئی ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو اپنے اس چمچے سے پوچھ لو۔ اس
نے ارشد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہم نے جلدی سے ارشد کی طرف دیکھا۔ اس نے ہاں
میں سر ہلایا تو ہم سکتے میں آ گئے۔ آخر میں نے سنبل کر
کہا۔

ہم۔ بے۔ بہت افسوس ہے۔

افسوس۔ کیا افسوس۔ کن بات کا افسوس۔ چوتھے چہرے
والے نے جیڑی ہو کر کہا۔

میں آپ سے نہیں اپنے ساتھی سے کہہ رہا ہوں۔ ارشد
بے افسوس ہے۔ نہیں ہمارے پرستار؟

• ملک۔ کوئی بات نہیں بھائی جان! اس نے ہلکا کر کہا
• اُن تو دوستو۔ وہ بینک کہاں ہے؟

• بینک۔ کون سی بینک؟

• وہی بینک۔ جو وہ لڑکی تم لوگوں کو دے کر یہاں
سے نکل بساکی تھی۔

• آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ آپ ہماری تلاش میں ہیں
ہمارے سامان کی تلاش میں ہیں۔

• یہ کام۔ یہ لوگ کر چکے ہیں۔ ارشد نے جلدی سے کہا۔
• کیا مطلب؟ میں پوچھتا ہوں۔

• انہوں نے سامان گھراؤنٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ گھر
کی کئی چیزیں توڑ پھوڑ اور سپاڑ ڈالی ہیں۔

• اسے یہ بہت برا ہوا۔ اتنی جان آ کر ہم پر بہت
گرمی ہو گئی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم اپنا نقصان ان لوگوں سے
پورا کر لیں گے۔

• ہم سے نقصان پورا کرو گے۔ دیر ہی گزرتی ہے۔ اس نے سنبل
کر کہا، پھر اپنے ساتھیوں سے بولا:

• ان تینوں کی تلاش کرو۔

• لو کے سر۔ تینوں ایک ساتھ اٹھے۔ پہلے ان میں سے
ایک نے دفتر کا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی اور دوسرے

میں بچوں کی گاسٹی لی۔ گاسٹی میں رہا۔ وہ لے والی تمام چیزیں انہوں
نے پیرا پیرا رکھ دیں۔ لیکن ان میں بینک کہاں تھی۔ لہذا انہوں
نے ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا۔ حالانکہ ان چیزوں
میں اس لڑکی کا کاش بھی تھا۔

”بینک تو ان کے پاس بھی نہیں ہے؟“

”پھر۔ آخر بینک کہاں گئی۔ پھر۔ فون کے تار کاٹ
دو۔ شالی کو اندر سے بلاؤ۔ اس سے پہلے ان لوگوں کے
ہاتھ پیر باندھ دو۔ تاکہ ہم یہاں سے پرسکون انداز میں رخصت
ہو سکیں۔ اب بچے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ بینک اس لڑکی
نے اپنے گھر میں ہی کہیں چھپائی ہے؟“

”آخر اس بینک کی اہمیت کیا ہے؟ میں نے چیخ کر کہا۔
”بچوں کو ایسی باتیں نہیں بتانی باتیں۔“ اس نے تنک
کر کہا اور پھر ہمیں باندھا ہانے لگا۔ ہم بلا چون و چرا باندھ
گئے۔ اس کے بعد دو ساتھی اندر گئے۔ تھوڑی دیر بعد تین
باہر نکلے اور پھر سب دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گئے۔
اب ہم دفتر میں بندھے پڑے تھے اور آبا جان اندر۔ فون کے
تار کاٹ دیے گئے تھے۔ گویا آبی جان کے آنے تک ہمیں اسی
طرف بندھے رہنا تھا۔ کم بختوں نے ہمارے منہ بھی پکڑے ٹھونس
کر باندھ دیے تھے، گویا ہم منہ سے آواز بھی نہیں نکال سکتے

تھے۔ آخر لہ اندر کے انہی ہاں کی آواز سنائی دی۔
”کم بختو۔ کال لٹو۔ اس طرف کا دروازہ بند کر کے ادھر
آ بیٹھے ہو۔ بچے آگیا لہا پکڑ کاٹنا پڑا۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا
انہی ہاں اندر داخل ہوئیں اور پھر دھک سے دروازہ کھلیں۔
”ارے۔ یہ کیا۔ باتیں۔ یہ تم لوگ اس طرح کیوں پڑے
ہو۔ کیا بد تمیزی ہے۔ تم لوگ کسی کام کے بھی ہو یا۔“ پھر
ان کے الفاظ درمیان میں ہی وہ گئے۔ کیونکہ بندھے ہوئے چھوٹے
پیر ان کی نظر اب پڑی تھی۔ وہ ہلکی سی نیچے بیٹھ گئیں اور
باری باری ہمیں کھولنے لگیں۔ جو منہ اشفاق کے ہاتھ پیر آزاد ہوتے
وہ اندر کی طرف بھاگا۔

”یہ کیا۔ کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ وہ چلائیں۔“

”آبا جان کو کھولنے۔ وہ بھی بندھے پڑے ہیں؟“

”ارے۔“ ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔
”ہو کیا رہا ہے؟“

”آبی جان۔ وہ۔ وہ کہاں ہے؟“

”کیا کہاں ہے؟ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔“

”وہ۔ بینک۔ جس سے ہر چیز سونے کی نظر آتی ہے؟“

”وہ۔ ارے۔ لاسول دلاقوہ۔ وہ تو تمہاری نار جان کے

ان ہی روگن
"کیا اس میں پوری قوت ہے پہلایا۔ اسی وقت اشفاق اور
آزادی اندرونی دروازے پر نمودار ہو گئے۔
"کیا ہوا۔ غیر تو ہے: اشفاق نے بوکھلا کر کہا۔ اتنی دیر میں
اشفاق اور آفتاب کے مڑے ہوئے کھل چکے تھے۔
"اتنی جان۔ وہ بینک خار جان کے ان بھول آئی ہیں۔
"اوہ۔ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔
"سب کو اس بینک کی کیا لگ گئی۔ کان کھول کر سن لو
میں وہ کسی کو نہیں دوں گی۔
"اتنی جان۔ آپ کو یہ سنس کو ضرور حیرت ہو گی کہ ہمیں اس
بینک کے لیے باندھا گیا ہے۔
"کیا مطلب؟ وہ اچھل پڑیں۔

اور ہم نے انہیں ان چاروں حضرات کے آنے کے بارے
میں بتا دیا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ادھر جو فی
ہم سب کے پیر آزاد ہو گئے۔ ہم دروازے کی طرف دوڑ
پڑے۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"خارجہ جان کے ان میں پہلایا۔"

"ابھا تو وہ بینک بھی سے آگیا: انہوں نے بوکھلا کر کہا اور

ایس اس حالت میں بھی جیسی آگئی۔
"اگر کل کر ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور خارجہ جان کے ان

بیٹھے۔

"ارے شوکی۔ کاشے جان۔ ساقی۔ کمسن۔ تم لوگ۔
آؤ آؤ۔ بہت دنوں بعد آگے۔ تم تو بھول ہی گئے اپنی خار کو۔
بے مروت کہیں کے۔ اب آگے ہو تو چار پانچ دن تک تو ہانے
نہیں دوں گی۔ وہ پر بھول انہوں میں کتنی چلی گئیں۔

"وہ۔ وہ۔ خار جان۔ نم۔ میرا مطلب ہے۔ خار جان۔

اتنی جان آئی تھیں یہاں۔

"نہیں تو۔ وہ تو نہیں آئیں یہاں۔

"ارے۔ کمال ہے۔ ابھی ابھی تو وہ آپ کے ان سے

گئی ہیں۔

"نہیں جیسی۔ تم لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ لیکن تم بیٹھو

تو سہی۔ وہ تو پورے ایک ماہ اور تین دن سے یہاں نہیں آئیں۔

"اوہ۔ کہیں اتنی جان دوسری خار جان کے ان تو نہیں گئی

تھیں۔ ضرور یہی بات ہے۔ آؤ چلیں، خار جان معاوضہ کیجیے

گا۔ ہم پھر کسی دن آئیں گے، آپ کے ان۔ چار پانچ روز

رہنے کے لیے۔ اس وقت ہم بہت ہمدی میں ہیں: میں نے

باہر کی طرف دوڑ گاتے ہوئے کہا۔

”ارے ارے۔ کیا۔ تم لوگ پاگل تو نہیں ہو گئے؟“
لیکن ہم جہاں کہاں رکنے والے تھے، سڑک پر آ کر پھر
ایک نیکی پکڑی۔ اور دوسری نالہ جان کے ہاں پہنچے۔ انہوں
نے بیس دیکھ کر حیرت سے چلیں بچائیں!
”خیر تو ہے۔ کیا تمہاری اتنی یہاں کچھ بھول گئی ہیں؟“
”جی۔ جی ہاں۔ ایک عدد بینک۔ مہربانی فرما کر وہ ہمیں
دے دیں۔“
”بینک۔ لیکن میں نے تو یہاں کوئی بینک نہیں دیکھی؟“
انہوں نے جلدی سے کہا۔
”لیکن ان کا کہنا ہے۔ کہ وہ بینک۔ یہیں بھول گئی ہیں۔“
”خیر۔ تم خود دیکھ آؤ ڈرائنگ روم میں۔“
”جی اچھا۔“ میں نے کہا اور ہم بدھامی کے عالم میں ڈرائنگ
روم کی طرف دوڑے۔
ڈرائنگ روم میں بینک کہیں نہیں تھی۔ اب تو ہم بہت
پکڑائے!
”کیوں۔ نہیں ہے نا؟“ ہم نے غلام جان کی آواز سنی۔
”جی۔ یہاں تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہیں
اور نکال دی ہو۔“
”تو پھر تم یہاں مکان دیکھ لو۔“

”جی بہت بہت شکریہ! ہم ایک ساتھ بولے اور تھکشی شروع
کر دی۔ ایک کمرے میں بے بی نازلی بیٹھی گڑیوں سے کیستی نظر
آئی۔
”ارے۔ جانی جان لوگ! اس نے بینک کر کہا۔ وہ ہمیں
بہت جانی جان لوگ کہا کرتی تھی۔
ہم نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور کمرے میں
بینک تلاش کرنے لگے۔ بے بی حیران پریشان ہمیں دیکھتی رہی۔
آخر اس سے راز گیا۔
”کیا تلاش کر رہے ہیں جانی جان لوگ؟“
”تمہارا سر!“ میں نے بتا کر کہا۔
”لیکن میرا سر تو یہ راز۔ میرے گلے کے اوپر۔“ اس نے مسکراتے
انداز میں کہا اور ہم مسکراتے بغیر نہ رہ سکے۔
”گڑیا! ہمیں پریشان نہ کرو۔ ہم پہلے ہی بہت پریشان ہیں۔“
میں نے اس کے گال پر پیار سے تھپکی دی۔
”جی اچھا! جانی جان لوگ۔“ اس نے کہا
ہم پھر تھکشی میں مصروف ہو گئے۔ آخر مایوس ہو کر مڑنے
لگے۔ اسی وقت غلام جان اندر داخل ہوئیں!
”کیوں بھئی۔ نہیں ملی نا۔“
”جی نہیں۔ حیرت ہے۔ آخر انہوں نے کہاں رکھ دی؟“

آپ لوگ کیا چیز تلاش کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس تو پچھا۔
گڑیا۔ تم کیوں۔ یہ کہہ کر میں باہر نکلنے لگا۔ اشتیاق، اشتیاق

اور آفتاب بھی میرے ساتھ مڑے۔
وہ مڑ رہی کہیں اور بھولی ہیں، یہاں ہوتی تو ضرور مل جاتی۔
نار ہان بولیں۔

جی ہاں۔ اب تو ہم بھی یہی سوچ رہے ہیں۔
آپ لوگ مجھے کیوں نہیں بتاتے۔ کیا چیز تلاش کر رہے
ہیں؟ نازلی نے براہمان کر کہا۔
میں پیار بھرے انداز میں اس کی طرف مڑا اور پھر حیران
رہ گیا۔ بینک ایک گڑیا کی آنکھوں پر موجود تھی۔

غلط ملاقاتی

میرا مشورہ یہ ہے کہ اس بینک کو فوری طور پر پولیس کے
حوالے کر دو۔ آبا جان بولے۔
ہم سب اس وقت اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں موجود
تھے۔ ارشد کو چھٹی دس دی گئی تھی۔ بینک کو ہم ایک خفیہ جگہ
چھپا چکے تھے۔

لیکن آبا جان۔ اس طرح تو بھولی نور بیٹھے بٹھائے کیس مل
کر ڈالے گا جب کہ اس لڑکی نے یہ بینک ہمارے حوالے کی
تھی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنی طرح جاننی ہے کہ یہ
شوکی برادرز کا دفتر ہے، گویا وہ جان بوجھ کر ہمارے پاس آئی
تھی، لیکن سرخ کار والوں نے اسے اتنی سہولت دی کہ وہ
ہم سے بینک کے بارے میں بات کر سکتی اور کچھ بتاتی، ان حالات
میں ہم بینک کس طرح پولیس کے حوالے کر دیں۔ میں بھولی
بھولی کہہ گیا۔

میں تو صرف اس لیے کہ رہا ہوں کہ معاملہ خطرناک ہے
 ان لوگوں نے لڑکی کو شاید جان بوجھ کر پکڑا ہے۔" انا جان
 نے کہا۔

"جی نہیں۔ میرا خیال ہے، وہ اپنا ٹک پر عوامی کے عالم
 میں ان کی کار کے سامنے آگئی۔ وہ نہ ٹیک کی موجودگی میں
 وہ اسے پکڑنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح ٹیک
 ٹٹ سکتی تھی۔ آپ تو ہمیں صرف یہ بتادیں کہ کوئی میٹروں کا
 ماہر آپ کا دوست ہے یا نہیں؟

"میرا تو نہیں۔ کچھ عرصے میں نے آج ٹیک آنکھوں پر ٹیک نہیں
 لگائی۔ دیکھیں میٹروں کے ماہر سے واسطہ پڑا۔ البتہ تیسرا سے آگے
 نازانی کا ہونہ کوئی دوست میٹروں کا ماہر ہو گا، لیکن سوال یہ
 ہے کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

"ہم وہ چاہنا چاہتے ہیں کہ یہ ٹیک ہے کیا؟

"ہاؤ۔ پہلے تو ٹیک بچے دکھاؤ۔ کیا خبر۔ وہ ٹیک نہ ہو۔

کوئی اور چیز ہو، مثلاً سائنس کی کوئی نئی ایجاد۔"

"اوہ۔ اس طرح تو بڑا خیال کیا ہی نہیں۔ پھر اسے

ہے۔ اگر میٹروں کے ماہر کی جگہ میں اگر یہ ٹیک نہ آئی تو ہم

کسی سائنس دان تک ہی ہائیں گے۔ اب سنا، بات کر ٹیک

آپ کو دکھائی دے۔ تو میرا ہی فرما کر آپ میرے ساتھ چلیے۔

یہ لوگ ہیں شہری کے۔ ہم سب کو ہذا کسی طرح ہی ٹیک نہیں
 یہ خبر۔ وہ لوگ کب آہٹیں؟ میں نے جلدی جلدی کیا۔

"ٹیک ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہر آٹھ گھنٹے ہوتے۔ میں

انہیں اس خیر جگہ تک لے آیا۔ ٹیک نکال کر انہیں دکھائی۔

وہ آٹھ پٹ کرتے رہے۔ چرخہ میں سر رہ کر رہے۔

"نہیں جی۔ میری جگہ سے باہر ہے۔ یہ ہے یہ تو یہ

صرف ایک ٹیک ہی ہے جس کے پیچھے شہر عجیب قسم کے ہیں۔

اور ان میں سے ہر چیز سونے کی بنی نظر آتی ہے؟

"اس کا مطلب ہے، جیسا میٹروں کے کسی ماہر سے ملنا ہی ہو

گا؟ میں نے کہا۔

ٹیک کو اسی جگہ رکھ کر ہم واپس ڈرائنگ روم میں آئے

میں نے اگل نازانی کے نمبر ڈائل کیے، بعد ہی ان کی پرجوش آواز

انہوں سے نکلائی۔

"میں نازانی ہل رہا ہوں۔ فرمائیے؟

"اوہ۔ میں ہوں اگل، شوکی؟ میں نے فوراً کہا۔

"اگل شوکی۔ لیکن میں تو کسی اگل شوکی کو نہیں جانتا۔ دوری

طرف سے انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"سوری اگل۔ میں صرف شوکی ہوں؟

"اوہ اب بھلا۔ یہ شوکی۔ سناؤ کیا حال ہے۔

دوست کا مزاج کیسا ہے؟ انہوں نے کہا۔
سب ٹیک ہے اہل۔ کیا آپ کے کوئی دوست سینکوں
کے ماہر بھی ہیں؟

کیوں۔ تمہیں سینکوں کی کیا ضرورت پڑ گئی؟
"ہی نہیں۔ ایک ضرورت کے تحت ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"
"اچھا تو یوں کرو۔ احسان روڈ کی تیسری گلی کے نویں مکان
پر پلے جاؤ۔ وہاں جاوید اکرم ملیں گے۔"

بہت بہت شکریہ اہل۔ یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔
تھوڑی دیر بعد ہم ایک ٹیکسی میں اٹھے جا رہے تھے۔
بینک اب میرے پاس تھی۔ میں نے اسے اٹھ میں کچھ اسس
منیجر سے پوچھ رکھا تھا جیسے اس کے پر ہی تو محل آئیں گے اور
وہ پھر سے اڑ جائے گی۔ ٹیکسی سے اتر کر ہم تیسری گلی میں
داخل ہوئے۔ نویں مکان پر دستک دیتے وقت ہمارے دل
دھک دھک کر رہے تھے۔ دہانے کیوں۔

آخر دروازہ کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی نے سراہر نکال کر
ہمیں گھورا، پھر بلوے۔

"جی۔ فرمائیے۔ کیا بات ہے؟"
"جی۔ جی۔ اہل فارانی۔ جی۔ جاوید اکرم صاحب۔" میں
نے ٹوٹا پھوٹا جملہ کہا۔

"میں بھی نہیں۔ آپ کیا کتنا چاہتے ہیں؟"
آپ جاوید اکرم صاحب ہیں؟
"بالکل ہوں۔ انہوں نے فوراً کہا۔"
"نہیں آپ کے پاس فارانی صاحب نے بھیجا ہے۔ ایک
ضروری کام ہے۔ اخلاق نے وضاحت کی۔"
"اب سمجھا۔ اندر آ جائیں۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔"
ہم ان کے پیچھے چلتے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔
اطمینان سے بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا،

"اے اب فرمائیے۔ آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟"
"اے۔ ایک بینک ہے۔ میں نے ایک ایک کر کے۔"
"اے! میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ بینک ہی ہے؟"

"ذرا اسے دیکھیے۔ کیا آپ کو اس میں کوئی عجیب بات
معلوم ہوتی ہے؟"

"نہاں تو معلوم نہیں ہوتی۔ لائیو دیکھتا ہوں؟ یہ کہہ کر
انہوں نے بینک لینے کے لیے اٹھ بڑھا دیا۔ بینک ان کے
اٹھ میں دیتے ہوئے مجھے بہت ڈر لگا۔ پھر خیال آیا۔ یہ تو
اہل فارانی کے دوست ہیں۔ ڈرنے کی کون سی بات ہے۔
لیکن پھر بھی بینک ڈرتے ڈرتے ہی ان کے حوالے کی۔ انہوں
نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر بلوے۔

تو اصل عام قسم کی چمک ہے۔ ان سے جڑی
خود لڑا میں۔ ہمارا خیال ہے۔ کوئی دوست اسی خاص
چمک ہے۔ میں نے پریشان ہو کر کہا۔
اس میں خود کرنے والی ایسی کون سی بات ہے۔ انہوں نے
منہ دیا۔

اچھا تو اسے آنکھوں پر لگا کر دیکھیے۔ میں نے کہا۔
اس سے کیا ہو گا۔ وہ بولے۔
آپ لگائیے تو سہی۔ میں نے بے چین ہو کر کہا۔ آخر انہوں
نے چمک آنکھوں پر لگال اور ہر چمک اٹھے۔
ارے۔ اس میں سے تو ہر چیز سنری نظر آرہی ہے۔
بالکل سونے جیسی۔

جی ہاں۔ اب بتاتیے۔ چمک عجیب ہے یا نہیں۔
ہاں۔ جب تو ضرور ہے۔ لیکن ہے ایک چمک ہی۔
کہہ کر انہوں نے چمک اُتار لی اور اس کے ٹیشن کا بطور ہارن
پہنے لگے۔ آخر بولے۔

اس کے ٹیشن ایسے ہیں کہ ہرے ملک میں کہیں بھی نہیں
مل سکیں گے۔ خاص بات اس چمک میں ضرور ہے۔
پھر ہی۔ کیا، چمک بہت زیادہ قیمتی ہو سکتی ہے۔
نہیں۔ اتنی قیمتی تو نہیں۔ زیادہ سے زیادہ دو تین ہزار

روپے کی ہوگی۔
بہت بہت سطرے اگل۔ ہم یہی معلوم کرنا چاہتے
تھے۔
لیکن بات کیا ہے۔

جی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ چمک میں عجیب
سے عادت میں ملتی ہے۔ یہیں آنکھوں پر لگانے کے بعد معلوم
ہوا کہ اس میں سے ہر چیز سنری نظر آتی ہے۔ اس لیے اس
کے بارے میں معلوم کرنے پہلے آئے۔ امید ہے معاف فرمائیں
گے۔

لیکن اس میں معافی کی کیا بات ہے۔ وہ حیران ہو کر بولے
اور ہم آٹھ کھڑے ہوئے۔

سڑک پار آکر میں نے پٹے اتار جان کو فون کیا۔ انہوں
نے فوراً جواب دیا۔
ہاں جی۔ کیا رہا۔

انگل نارانی کے دوست کا خیال ہے کہ چمک نئی قسم کی
ہے اور اس قسم کے ٹیشن ہمارے ملک میں نہیں مل سکتے۔ تاہم
ہے یہ ایک چمک ہی، جس کی قیمت تین ہزار روپے کے قریب
ہو سکتی اور بس۔

پھر۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔

اس کی اعلیت معلوم کرنا۔ صرف تین چار ہزار کی میٹر کے لیے۔ وہ لوگ اتنی دوڑ و سوپ نہیں کر سکتے۔ آپ کے کوئی دوست سائنس دان ہیں؟
نہیں۔ میرا کوئی دوست سائنس دان نہیں۔ میں تیس اپنے ملک کے ایک بڑے سائنسدان کا نام پتا ضرور بتا سکتا ہوں!
پہلے۔ یہی سہی۔ طاقت ہم خود کر لیں گے: میں نے

کہا۔
ان کا نام پروفیسر عقلمن ہے۔ شہر کے جنوبی سرے پر ان کی تجربہ گاہ ہے۔ وہ وہیں میں گئے:
بہت بہت شکریہ آبا جان۔ ہم اسی وقت ان کے پاس جا رہے ہیں: میں نے جلدی سے کہا۔
لیکن ذرا خیال رہے۔ فدا چڑچڑی طبیعت کے ہیں: انہوں نے ہمیں خبردار کیا۔

آپ فکر نہ کریں آبا جان۔ ہم بھی کسی سے کم چڑچڑے نہیں: میں نے روانی میں کہا۔
کیا کہا۔ تم کسی سے کم چڑچڑے نہیں: انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

اور۔ معاف کیجیے گا۔ بھول میں کہ گیا۔ مطلب یہ

تھا کہ اگر وہ چڑچڑے ہیں تو کیا ہوا۔ ہمارا نرم حکم لہجہ ان کے چہرے پر شبنم بن کر گرے گا:
خوب۔ اچھا بھلا ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن مشورہ اب بھی یہی ہے کہ اس بینک کو پولیس کے حوالے کر دو۔ مجھے تو یہ بہت خطرناک محسوس ہو رہی ہے:
محسوس تو خیر ہیں بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہو رہی۔ اچھا اللہ مالک ہے:

جنوبی سرے پر پہنچنے میں ہیں پورا ایک گھنٹہ لگا۔ ٹیکسی کا بل ادا کرتے وقت ہمارے چھکے مچوٹ گئے۔ جبکہ ابھی ہمیں واپس بھی جانا تھا۔ سونے پر سہاگایہ کہ ہم ایک عرج سے کسی باقاعدہ کس پر بھی کام نہیں کر رہے تھے جس سے کسی آمدنی کی امید ہوتی۔ اس معاملے میں ہم زبردستی الجھ گئے تھے۔ اور یہ سب اس لڑکی کی وجہ سے ہوا تھا:
بے چاری لڑکی: میں بڑا اٹھا۔ ساتھ ہی اس کی اندھی ماں کا خیال آگیا اور ہمیں اپنے دل بھینچتے محسوس ہوئے۔

پروفیسر عقلمن کی تجربہ گاہ بہت شاندار تھی۔ ہمیں دور سے ہی نظر آنے لگی تھی۔ نزدیک پہنچے تو دروازے پر گھنٹیں لگی رانگولوں والے دوپہرے دار کھڑے نظر آئے۔ گھنٹوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ہمارے جسموں پر سنسنی کی لہر دوڑ

جیسے۔ مادہ بھاری ان لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھے تو پہرے دار انہیں گھورنے لگے۔ جب ہم کچھ اور نزدیک پہنچے تو ان میں سے ایک نے کہا،
"کمال اونٹ کی طرح منہ اٹھاتے چلے آ رہے ہو۔"
"اونٹ نہیں۔ اونٹوں کیسے۔ ہم ایک نہیں چار ہیں۔"
"وہ۔ پڑھو اب ان سے اردو۔ دوسرے نے ہنس کر کہا۔

"ہی۔ ان ہی قدموں پر بڑک جاؤ۔ ورنہ سنگین مار مار کر پھینک دیں گے۔ پھٹا غرایا۔
"ہمیں پھانسی ہونے کا ایسا شوق نہیں۔ ہم پروفیسر عثمان سے ملنے آئے ہیں۔ اگلے پاس ایک عجیب چیز ہے۔ وہ عجیب چیز ان کے لیے بھی بہت عجیب ثابت ہوگی۔
"کیا تم لوگوں نے پروفیسر صاحب سے ملاقات کا وقت لے رکھا ہے؟ دوسرے نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ہم ان تکلفات کے عادی نہیں۔
"پھر تو مشکل ہے۔ وہ اس طرح کسی سے نہیں ملتے۔ اور تم سے تو ویسے بھی نہیں ملیں گے۔ ان سے ملنے کے لیے تو بہت بڑے بڑے لوگوں کو بھی وقت لینا پڑتا ہے۔ کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ وہ ہمارے ملک کے سب سے بڑے سائنسدان

ہیں اور اس وقت تک بہت سی مفید ایجادات کر چکے ہیں۔
"جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ ہمیں ان سے ملنا ہے۔ مہربانی فرما کر آپ صرف اتنا پیغام اخذ بھیج دیں کہ شوکی برادرز ان سے ملنے آتے ہیں۔ اور اگر انہوں نے ہم سے ملاقات نہ کی تو بعد میں کہیں انہیں پہچانا نہ پڑے۔
"کیا کہا۔ تم سے ملاقات نہ کر کے۔ انہیں پہچانا پڑے گا۔ ۱۱۱۔ انہوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، قہقہہ طویل ہوتا چلا گیا اور ہم ان کے قہقہے کے رکنے کے انتظار میں برسے برسے منہ بناتے رہے، خدا خدا کر کے قہقہہ ختم ہوا اور میں نے کہا،

"اٹ تو رہے۔ ہم نے اتنا طویل قہقہہ زندگی میں پہلی مرتبہ سنا ہے۔"

"گویا یہ ریکارڈ قہقہہ تھا؟ آفتاب نے کانپ کر کہا۔
"تم۔ تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟ دوسرا پہرے دار چونک کر بولا۔

"شوکی برادرز؟"

"نام تو کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔ ارے کہیں تم وہ تو نہیں ہو۔ جو جاسوسی کا زنا سے انجام دیتے پھرتے ہو۔ اور عام طور پر معاملات عدالت تک لے کر جاتے ہو۔"

آپ نے ٹیک پہنا۔ شکریہ آئیں جلدی سے لے لو۔
یہ شیزانی۔ اسی لوگوں کا کافی نام ہے۔ کیوں نہ ہم پہنچ
اندھ بیچا ہی دیں۔
دیکھ لو کالو۔ کہیں پروفیسر ہمیں نوکری سے نہ نکال
دیں۔

ہیں اندھ نہ بیچنے کی صورت میں تو آپ لوگوں کو ضرور
نوکری سے نکل پڑے گا۔ میں نے گویا دھمکی دی۔
دیکھو جی۔ ہمیں ڈرانے کی ناکام کوشش نہ کرو۔ ہم
ایسی جگہ جھکیوں میں آنے والے نہیں ہوتے تو یہاں سے کمر
کے ذمت سے نکال دیے جاتے۔ بہر حال۔ ہم تمہارا پیغام نہ
بجھا دیتے ہیں۔ بیشک۔

انہوں نے گیٹ کے اندھ کی طرف بھی کرسیوں کی طرف
اشارہ کیا۔ پھر تپائی پر رکھے فون کا ریسپنڈر اٹھا کر کان سے لگا
ہوئے ایک مین دبایا:

ہیلو۔ انعام فیاضی صاحب۔ چار ٹکے پروفیسر صاحب سے
علاقات کے خواہشمند ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے پاس پروفیسر
صاحب کے لیے ایک عجیب چیز موجود ہے۔ جی۔ جی۔ جی۔
آپ بیٹے تو سہی۔ ہم انہیں سمجھا چکے ہیں۔ اچھی طرح بتا چکے ہیں
کہ پروفیسر صاحب اس طرح کسی سے نہیں ملے۔ وہ اپنا نام

شوکی برادرز بتاتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور وہ سری
طرف کی بات سننے لگا۔ آخر ان کی طرف منہ کر کے بولا:

وہ عجیب چیز ہے کیا؟
ایک عجیب و غریب ایجاد کہہ لیں اسے۔ میں نے اسے
گول مول جواب دیا۔ پھر سے وار نے میرے الفاظ فون میں کہہ
دیے۔ پھر میری طرف منہ کر کے بولا:

بیٹے۔ آپ خود بات کر لیجیے۔ یہ کہہ کر اس نے ریسپنڈر
میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے اسے منہ کے قریب کرتے ہوئے
کہا:

ہیلو انعام فیاضی صاحب۔ میں شوکی بول رہا ہوں۔ شوکی
ایڈ کو کا نمائندہ۔ آپ نے ہمارا نام ضرور سنا ہوگا:

اتفاق سے میں آپ لوگوں کے نام جانتا ہوں اور آپ کے
بچہ کارنامے بھی پڑھے ہیں۔ فرمائیے آپ کیا چاہتے ہیں:

پروفیسر صاحب سے ملاقات کرنا اور انہیں ایک عجیب
چیز دکھانا۔ میں نے کہا:

تو آپ وقت لے لیں:

وقت لینے کا وقت کہاں جناب ہمارے پاس؟ میں نے
مسکسی صورت بنائی۔

کیا آپ اس چیز کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے:

نہیں۔
ایسا نہیں۔ انکار کریں۔ میں پروٹیسر صاحب سے بات کرنا
چاہتا ہوں۔ اس نے کہا اور میں نے ریسورسز پر دیکھ جانے کی
گواہی لی۔ ایک منٹ بعد پھر انعام نیامنی کی آواز سنائی دی،
"ریسورسز۔ آؤ گھٹے بعد پروٹیسر صاحب آپ سے ملاقات
کریں گے۔ آپ میرے پاس آجائیں، ریسورسز پہرے دار کو اسے
دیکھا۔"

"دست بہت ٹھیک رہا۔ میں نے خوش ہو کر کہا۔
نہی پر انعام نیامنی کی ہدایت سنتے ہی پہرے دار کا ہاتھ
لے کر اندر کی طرف چلا۔ یہ ایک قلعہ نما عمارت تھی۔ پہلے ہیں
ایک پکنے سڑک پر چٹا پڑا۔ یہی منٹ بعد سڑک سے ایک
برآمدہ میں داخل ہوئے۔ اور پھر بیڑیاں چڑھتے چلے گئے۔
"کیا یہاں منٹ نہیں ہے؟ میں نے بیڑیوں کا سلسلہ ختم
دیکھتے محسوس کر کے کہا۔"

"جی ہاں۔ منٹ موجود ہے، لیکن اسے صرف محال
سکتا ہے۔" ملاقاتی نہیں: اس نے کہا
"بیڑیاں آخر کب ختم ہوں گی؟"
"دعا کریں۔ کبھی تو ختم ہو ہی جائیں گی۔" آفتاب نے
کہا۔

اور جب ہم تک کر چور چور ہو گئے، تب لیں ہا کر
بیڑیاں ختم ہوئیں۔ تاہم میں ایک آلہ نما کمرے میں سے کر
داخل ہوا۔ اندر ہر طرف آلات ہی آلات لگے تھے اور ان
آلات پر رہے شمار لوگ کام کر رہے تھے۔ وہ ہمیں اس
کمرے میں سے گزار کر ایک اور کمرے میں لے گیا۔ یہاں
صرف ایک دیوار پر کچھ آلات لگے تھے اور ایک آرام کرسی میں
سیاہ ڈاڑھی والا ایک آدمی بیٹھا تھا۔
"شوکی برادرز۔ انعام صاحب: پہرے دار نے یا اوب لہجے
میں کہا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاسکتے ہو۔ آپ تشریف رکھیے:
ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔
"نہی طرح تھک گئے ہوں گے آپ لوگ: اس نے عجیب
سے لہجے میں کہا۔
"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے: میں نے جے کٹے لہجے
میں کہا۔"

"بھرا نہ مانیے۔ ایسا ہم اس لیے کرتے ہیں کہ اگر کوئی
غلط ملاقاتی آجائے۔ تو اس میں لڑنے بھڑنے اور مقابلہ کرنے کی
ہمت نہ رہ جائے۔"

"لیکن غلط ملاقاتی کوئی پستول وغیرہ لے کر بھی تو آسکتا

جہ اور ہاتھ پالنے کی کوئی خاص طاقت نہیں ہوتی؟
پتھر سے کر کوئی خاص چیزیں نہیں پڑا سکتا۔ یہ سب
پستول والے آدمی کو چاہئے نہیں دینی؟
ہاں۔ تو بات ہے۔ آخر اس قدر احتیاط کی کیا
ضرورت ہے؟

پروفیسر عقلمند کے بہت بڑے اور اہم سائنس
دان ہیں۔ دماغی عمل کی یہ خواہش ہے کہ وہ کسی طرح پروفیسر
صاحب کو ختم کر دیں۔ لہذا انہوں نے بھی اپنی حفاظت کے
انتظامات کر رکھے ہیں؟

گویا اب ہمیں پورا آدمہ گھٹن یہاں انتظار کرنا پڑے
گا۔

نہیں۔ صرت میں منٹ۔ دس منٹ تو آپ لوگ
یزمیں میں لگا آتے ہیں؟ انعام فیاضی شکریا۔

آخر میں منٹ بعد انعام فیاضی آٹھا اور ہمیں ساتھ سے کر
کمرے سے نکل آیا۔ اب اس کا بیخ سب سے اوپر والی منزل
کی طرف تھا۔ اوپر ایک کمرے پر گہرے سا بنا ہوا تھا۔ اس
کمرے کے دروازے پر پہنچ کر انعام فیاضی نے تین بار آہستہ آہستہ
دھک دی۔

ٹھیک ہے فیاضی۔ کہنا: اندر سے ایک سنت گوار

آئی اور ہم اندر داخل ہوئے۔

ہم نے دیکھا اندر ایک سفید ڈالمن والا بھاری ہارم گڈی
عمدے والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے میز پر کئی
ٹیلیفون اور پیغام دہانی کے دوسرے آلات موجود تھے۔ ان
کے علاوہ بھی میز پر دہائیے کی گئی چیزیں تھیں۔ دیوار
پر ہزاروں سوچے سمجھے ہوئے تھے۔ دائیں اور بائیں بے شمار
آلات نصب تھے۔ اس کی آٹھوں پر ایک سوئے شیٹوں
کی چمک بھی تھی۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی آدمی نہیں
تھا۔ اس نے بغور بھاری طرف دیکھا، پھر انعام فیاضی سے
کہا۔

ٹھیک ہے فیاضی۔ تم جا سکتے ہو۔

او کے سر: فیاضی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ اس
کے ہاتھ ہی کمرے کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ یہ کمرہ دوسرے
کمروں کی نسبت چھوٹا تھا۔

میں بھی۔ اب بتاؤ۔ کیا بات ہے؟

تو آپ ہی پروفیسر عقلمند ہیں؟ میں نے تصدیق طلب لہجے
میں کہا۔

اں۔ میں ہی ہوں۔ سوال یہ ہے کہ تم کیوں آتے ہو۔
وہ کیا چیز ہے جو تم مجھے دکھانا چاہتے ہو؟ ان کے لہجے میں ناگہانی

ہماری حیرت کا کیا پوچھا۔ اب ہم ہونٹوں کی طرح
 کمرے میں بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کہ اچانک
 قدموں کی آواز ابھری۔

کی جھلک تھی۔ میں اسی وقت میز پر رکے ایک آلے کا نیلا
 لب بٹنے بچنے لگا۔ انہوں نے اس آلے کا ایک ٹن
 دیا اور بولے،

”پروفیسر عقلمن بول رہا ہوں۔ بخاری صاحب۔ وہ چیز پہنچی
 یا نہیں۔ اوہ۔ اب تک نہیں پہنچی۔ پھر تو معاملہ خطرناک ہے۔
 اور وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے۔ دوسری طرف کا
 جواب بھی کہ انہوں نے فکر مشاغل آغاز میں ریسور رکھ دیا۔

اور ہم حیران رہ گئے۔ یہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ بخاری
 صاحب وزیر داخلہ ہیں۔ مگر یا کسی بہت ہی خاص چیز کا معاملہ
 تھا۔ ابھی ہم سوچ میں گم تھے کہ وہ ہم سے بولے،

”اں بہن، میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں اس
 چیز کو فوراً دیکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ۔ تم لوگ۔“

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت دونوں
 کی گھنٹی بجی تھی۔ انہوں نے ریسور اٹھا کر کان سے لگا لیا،
 پھر دوسری طرف کی بات سنتے ہی اسے کریڈل میں ہٹا اور
 اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحوں میں کہتے ہوئے
 کمرے سے نکل گئے،

”م۔ میرا ایک تہہ ناکام ہو گیا ہے۔“

کیس مل گیا

ہم نے گردنیں گھما کر دیکھا تو انعام فیاضی پلے آ رہے تھے۔ آتے ہی بولے :
"پروفیسر صاحب کو اپنا ایک ضروری کام آ پڑا ہے۔
آپ ان سے پھر کسی روز ملاقات کر لیجیے گا۔"
"آپ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا ہم یہی جملہ سننے کے
لیے اس عمارت کے اس تھے تک پہنچے تھے؟" آفتاب نے برا
مان کر کہا۔

"بھوری ہے۔ پروفیسر صاحب نے آپ کو بلا لیا تھا تو بات
بھی ضرور کرتے، لیکن اپنا ایک ہی کوئی بات ہو گئی ہے۔ انعام فیاضی
نے کندھے اچکائے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم پہلے جاتے ہیں۔ یہ ملاقات بھی یاد
رہے گی۔ میں جھبھلا اٹھا۔

"دیکھیے جناب۔ اپنا ایک کوئی بات ہوئی ہے۔ اس نے گویا

سندرت کی۔

"پہلے خیر کوئی بات نہیں۔ آفتاب نے برا مان کر

کہا۔

"ویسے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ وہ چیز مجھے دکھادیں۔

جو پروفیسر صاحب کو دکھانے والے تھے۔ انعام فیاضی نے نئی بات
کہی۔

"کیا آپ بھی سائنس دان ہیں؟

"ہاں! میں ان کا اسٹنٹ ہوں۔ سائنس میں سڈو بڈ ہے۔

تجسس تو ان کا اسٹنٹ ہوں نا۔"

"خیر جناب۔ ہم مشورہ کریں گے۔ اور آپ کو فون کر دیں

گے۔ میں نے کہا۔ جینک اس وقت میرے ہاتھ میں تھی، لیکن

اس طرح کون اندازہ لگا سکتا تھا کہ جو چیز ہم دکھانے کا ارادہ رکھتے

ہیں، وہ صرف ایک جینک ہے۔"

"آپ کی مرضی۔ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا۔ آئیے۔ میں

آپ کو باہر کا راستہ بتا دوں۔ اس نے گویا یہ کہا کہ اب چلتے پھرتے

نظر آؤ۔ ہم اٹھے اور دروازے کی طرف مڑے ہی تھے کہ پروفیسر

صاحب آتے ہوئے نظر آئے۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے

بادل تیر رہے تھے، ہم پر نظر پڑتے ہی بولے :

"یہ لوگ ابھی تک یہیں ہیں؟

”جی ہاں۔ بس جلدی رہے ہیں؟“
”نیک ہے۔ میں ان لوگوں سے پھر کبھی مل لوں گا۔ اُن
توہ۔ کیسی پریشانی کا عالم ہے؟“
”کاش۔ آپ ہمیں بھی اپنی پریشانی میں شامل کر لیتے۔ میں نے
دلی آواز میں کہا۔

”تم لوگوں کو۔ بھلا تم کیا کر سکو گے۔ جاؤ جی۔ پہلے
ہی بہت پریشان ہوں۔ اور پریشان نہ کرو۔ فیاضی۔ انہیں
لے جاؤ۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی ہم پروفیسر صدان کے کمرے سے
باہر نکل گئے۔ چہرے خستے سے سرخ تھے۔ تجربہ گاہ سے باہر آکر سڑک
پر پہنچے اور آبا جان کو فون کیا،

”ویر آبا جان۔ آپ نے تو بہت بڑے سائنسدان کا کام ہٹا
دیا۔ کیا آپ کو کسی چھوٹے سے سائنس دان کا نام پتا معلوم نہیں،
جس میں آخر ایک یونک ہی تو دکھائی ہے۔“

”شاید انہوں نے تمہیں گھاس نہیں ڈالی۔“ آبا جان ہنس
پڑے۔

”جی ہاں۔ گھاس تو ڈالی تھی۔ ذرا کم رہ گئی۔ ہمیں ناکام ہی
باہر آنا پڑ گیا۔“

”خیر کئی بات نہیں۔ ہمارے ٹک میں اور بھی کئی سائنس دان

ہیں۔ ایک اور کام اور پتا نوٹ کر لو۔ پروفیسر عباس شون۔ ان کی تجربہ
گاہ مغربی سرے پر ہے۔ بہت مختار آدمی ہیں۔
”شکریہ آبا جان۔ اللہ ناکاحض ہے کہ اب ہم انہی کی طرف
جا رہے ہیں۔“

”یہ بات تو میں پہلے ہی سمجھ چکا ہوں۔ انہوں نے خود آ
کہا۔

اور ہم شہر کے مغربی حصے کی طرف روانہ ہوئے۔
”یونک کا پکر تو ہمیں پکروں میں ڈال رہا ہے؟ اشفاق نے منہ
بتایا۔

”اور مزے کی بات یہ کہ خرچ پر خرچ بھی کرا رہا ہے۔
آمدنی کا کوئی امکان دور دور تک نہیں۔ آفتاب نے بھی منہ
بتایا۔

”تمہیں تو بس آمدنی کی پڑی رہتی ہے ہر وقت۔ یہ نہیں
دیکھتے کہ اس یونک کی خاطر ایک لڑکی اپنی جان سے اتنا دھوڑی
ہے۔ ایک اندھی بڑھیا کے لیے یہ دنیا اندھیر ہو گئی ہے؟ اشفاق
نے اُسے گھورا۔

”اس ہے چاری کے لیے تو دنیا پہلے ہی اندھیر تھی۔“

”لیکن بیٹا کے مرنے کے بعد اور اندھیر ہو گئی ہے۔“

”خیر۔ ابھی ہم سو فیصد یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ حاد

میں مرنے والی لڑکی اس اندھی عورت کی بیٹی ہی تھی۔" انطلاق نے کہا۔

"کیوں نہیں کہہ سکتے۔ جب کہ ایک کاٹنا ہمارے ڈاٹہ لگ چکا ہے۔ لاش کے کان میں دوسرا کاٹنا موجود ہے اور ہمیں کانٹا اس سڑک سے ہٹا ہے۔ جس پر اس بڑھیا کا مکان ہے۔ میں نے جھگڑا کر کہا۔

"پٹے خیر۔ اب تک بھلائی نور صاحب بڑھیا کو بھلا بھی چکے ہوں گے اور یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ گھرنے والی لڑکی اسی کی ہے یا نہیں۔"

"ٹیکسی ڈرائیور نے جب ایک جگہ ٹیکسی روک دی تو ہم پھرتے گئے۔

"کیا بات ہے جناب۔ آپ تک کیوں گئے۔" اس لیے کہ ہم پروفیسر عباس سٹان کی تجربہ گاہ کے سامنے پہنچ چکے ہیں۔ اگر آپ کو یہاں نہیں اترنا تو آگے چلا چلتا ہوں۔ لیکن اتنا مٹی ایسے کہ آگے جنگل شروع ہو جاتا ہے۔

"اوہ۔ شکریہ! آفتاب نے بولکھا کر کہا۔ باتوں میں ہمیں

احساس ہی نہ ہو سکا کہ راستہ کیسے طے ہو گیا۔ ہم جلدی سے نیچے اترے، بل ادا کیا اور دروازے کی طرف بڑھے۔ یہاں کوئی پہرہ دار نہیں تھا۔ تجربہ گاہ بھی بس ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ دروازے

پر گھنٹی کا بٹن لگا تھا۔ میں نے بٹن دبا دیا۔ جلد ہی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک تیرہ چھوٹا سا لڑکی کی شکل دکھائی دی۔

"جی فرمائیے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم پروفیسر صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ڈیڈی سے ملنا چاہتے ہیں آپ۔ کمال ہے۔" اس نے

ہمکیں گھمائیں۔

"اس میں کمال کی کیا بات ہے۔" انطلاق نے حیران ہو کر

کہا۔

"ڈیڈی سے ملنے کبھی کوئی نہیں آتا۔ یہاں تک کہ ان کے

رشتے دار بھی نہیں آتے، لوگوں کا خیال ہے، وہ پاگل ہیں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ہم نے تو سنا ہے۔ وہ بہت

منار ہیں۔ میں نے چونک کر کہا۔

"اُن کے منار ہونے سے کیا بنتا ہے۔ جب کوئی اُن سے

ملنے ہی نہ آئے۔"

"آخر اس کی وجہ۔" انطلاق جلدی سے بولا۔

"ڈیڈی کو صرف سائنس سے محبت ہے۔ ان سے جو آدمی

بھی ملنے آتا ہے۔ وہ اس سے صرف سائنس پر بات کرتے ہیں۔

اب ہر شخص تو سائنسی موضوعات میں دلچسپی نہیں لے سکتا۔

خیر آپ تشریف لائیے۔ آپ کو بھی جلد ہی اندازہ ہو جائے گا کہ
اس نے کہا اور اندر کی طرف مڑ گئی۔ ہم اس کے پیچھے قدم
اٹھاتے آخر ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر
پرچہ نانا آدمی کسی خیال میں اس حد تک گم تھا کہ اسے احساس تک
نہ ہو سکا کہ کوئی کمرے میں داخل ہوا ہے، اس کے جسم پر
لکھنے بال تھے۔

”ڈیڈی۔ آپ سے کوئی ملنے آیا ہے؟“
”خاموش رہو بیٹی۔ میں اس وقت ایک تیسوری پر غور کر
رہا ہوں۔ بہت ہی زوردار تیسوری ہے۔ اگر ذہن سے نکل گئی
تو پھر کبھی قابو میں نہیں آئے گی۔“
”تو ڈیڈی۔ آپ اس خیال کو نوٹ کر لیں نا۔ میں نے کہا ہے
کوئی آپ سے ملنے آیا ہے؟“
”ارے۔ کیا کہا۔ کوئی مجھ سے ملنے آیا ہے۔ تب تو گولی
مارو۔ تیسوری کو اور انہیں اندر لے آؤ۔ انہوں نے اچھل کر
کہا۔“

”لیکن ڈیڈی۔ وہ تو ابھی پکے ہیں۔“
اب انہوں نے ہماری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔
بالکل اس طرح جیسے ہم اس دنیا کی نہیں۔ کسی دوسری دنیا کی مخلوق
ہوں۔ پھر ہنسا سا مڑ بٹا کر کہا:

”یہ مجھ سے کوئی ملنے آیا ہے۔ دھول دھواؤ۔“
”کیوں ڈیڈی۔ یہ کیا بات ہوئی؟ لڑکی بول کر بولی
ڈالی۔ یہ تو لڑکے ہیں۔ یہ بھلا مجھ سے کیا ملنے آ سکتے

ہیں۔“
”آپ۔ آپ مل کر تو دیکھیے۔ میں نے گھبرا کر کہا۔

”اچھا خیر۔ چلو۔ دیکھ لیتا ہوں۔ آؤ بیٹھو۔ میں اس وقت
اس بات پر غور کر رہا تھا کہ جب دنیا سے ایندھن بال ختم ہو
جائے گا تو پھر آبادی کیا کرے گی۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اس
وقت کے لیے مصنوعی ایندھن ایجاد کر جاؤں۔ تاکہ راتنی دنیا
تک۔“

”ڈیڈی۔ چلے ان سے تعارف تو ہو جائے۔ پھر ان کے
آنے کی غرض معلوم کرنی چاہیے۔ آپ تو بس اپنی باتیں شروع
کر دیتے ہیں۔ ڈالی نے جھنجھو کر کہا۔

”اور ان۔ چلو خیر۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ ان بھی۔ تو
چلے تعارف ہو جائے؟“

تعارف کے دوران ہم سہپا رہے تھے۔ آبا جان نے جیس
کہاں بیجا دیا ہے۔ یہ شخص تو واقعی پاگل اور جھکی سا لگتا تھا۔
کم از کم سائنس دان تو ہرگز نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن آپکے
تھے۔ لہذا تعارف کرنا پڑا۔ لڑکی ہمارے نام سسکی کر اچھل

پڑی

”ارے۔ ڈیڈی۔ یہ تو وہ ہیں۔“

”وہ۔ کوئی وہ۔ اوہ سمجھا۔ بڑے وہ ہیں یہ۔“

”جی نہیں۔ آپ غلط سمجھے۔ بڑے وہ نہیں۔ بلکہ وہ۔ جی کے

ہاتھ میں اخبار سے پڑھ پڑھ کر آپ کو سنایا کرتی ہوں۔ اور آپ

تھے بچوں کی طرح سنتے ہیں۔“

”ہائیں۔ تو یہ وہ شوکی براہوز ہیں۔“

”جی ہاں۔“

”اوہ۔ اچھا۔ ٹھہرو۔ یہ کہہ کر وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے

اور ہماری طرف بچھے۔ ہم گھبرا گئے کہ یہاں ان کا ارادہ

کیا ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر جان میں جان آتی کہ وہ ہم سے باری

باری لگے مل رہے تھے۔ بے برسوں کے بچھڑے ہوئے ہوں۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ بولے:

”اں جی۔ اس سے پہلے کہ میں مصنوعی ایندھن کی ایک بار

کے امکانات پر روشنی ڈالوں۔ پہلے تم لوگ بتاؤ۔ مجھ تک

کے پہنچے۔ خدا نخواستہ میں تم سے کوئی کیس تو حل کرانا نہیں

چاہتا۔ کیوں ڈال؟

”جی۔ جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔“ ڈال نے فوراً

کہا۔

”ہم دراصل آپ کو ایک چیز دکھانے آئے ہیں۔ پھر اس کے

ہمے میں آپ کی رائے جاننا چاہیں گے۔“

”اچھی بات ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ ایسی رائے دوں گا کہ کیا

بہسی کسی نے رائے دی ہوگی۔ انہوں نے اگر ذکر کیا۔“

”ڈیڈی۔ ڈیڈی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”اوہ۔ معاف کرنا بھئی۔ خیر۔ تم وہ چیز دکھاؤ۔“

اور میں نے سینک ان کے سامنے کر دی۔ کیونکہ اب ہم

بلند از بلند یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ پروفیسر کی باتوں سے

ہم اپنا دم گھٹا محسوس کر رہے تھے۔

”یہ ایک سینک ہے۔ اسے فور سے دیکھیں۔ اور بتائیں۔ اس

کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔“

پروفیسر نے سینک کو پہلے تو ایک منٹ تک الٹ پلٹ کر

دیکھا۔ پھر بولے:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بہت خوبصورت سینک ہے۔“

”اور کوئی خاص بات۔“

اور تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ اں اگر تم اسے

لمدخت کرنا چاہتے ہو تو میں اس کے ایک ہزار روپے دے

سکتا ہوں۔“

”اب فوراً اسے آنکھوں پر لگا کر دیکھیں۔“ میں نے کہا۔

انہوں نے اسے فوراً آنکھوں پر لگا دیا اور پھر ڈور سے چمکے ،
"ارے ایں۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ ڈالی۔ ہمارا گھر

سوئے گا ہی کیا ہے؟
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔ یہ لوگ کیا خیال کریں گے۔

آپ کو جلد سوئے کی کیا ضرورت۔
"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن تم دیکھو تو سہی۔

یہ کہہ کر انہوں نے بیک ڈالی کی آنکھوں پر لگا دی۔ ڈالی
بھی جھونپکا رہ گئی۔

"ہم یہ جانتا چاہتے ہیں پروفیسر صاحب۔ کہ یہ بیک
کوئی نئی ایجاد تو نہیں۔ ہم میرا مطلب ہے۔ یہ بیک کے

علاوہ کوئی چیز تو نہیں؟
"اوہ! پروفیسر صاحب یک دم بخود ہو گئے۔ پھر اٹھتے

ہوئے بولے:
"تم لوگوں کو چند منٹ انتظار کرتا پڑے گا۔ میں اسے

فلٹ ٹکٹ کی جگہ سے چیک کروں گا۔
"بہت بہت شکریہ! میں نے غور کر لیا۔ اتنی دیر کے

بعد وہ پل مرتبہ ایک معقول انسانی نظر آئے تھے۔ وہ فوراً
ی کمرے کا بجلی دھانہ کھول کر غائب ہو گئے۔

کیا اس بیک کا کیس کسی نے آپ کے کمرے کا ہے؟
"میرا کیس۔ ڈیڈی کا کیس ہے؟

بیک کا کیس؟ ہمارے دل سے آپ کا دل ٹھک۔ پھر میں
اس کا مطلب سمجھ کر ہلکی سے ہلکی

ہی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں، بس یہ بیک کہیں
ہمارے اٹل لگ گئی۔ اس کے شیشوں میں سے ہر چیز

مہلے کی نظر آتی تو ہم اس کے بارے میں پانچنے کے لیے
بہ چہن ہو گئے۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ایک کیس میرا بھی حل
کر دیں؟ ڈالی نے بازو دارانہ انداز میں کہا، لیجے میں درخواست

ہی۔
"لگ۔ کیا مطلب۔ آپ اور کیس؟ میں ہلکویا۔

اں کیوں۔ کیا میرا کوئی کیس نہیں ہو سکتا؟ اس نے
مجھے گھورا۔

"جی ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ کیوں نہیں ہو سکتا۔ آپ کیس
کی تفصیل بتائیے۔ ہم آپ کو اس کی فیس بتا دیں گے۔

معاذ اللہ ہو گیا تو بھلا کیوں آپ کے کیس پر کام نہیں کریں
گے؟ مجھ سے پہلے آفتاب بدل اٹھا۔ میں نے اسے تین نعروں

سے گھورا، پھر ہلا۔
"اں ٹھیک ہے۔ بتائیے۔ آپ کا کیس کیا ہے؟

"میرا کیس۔ ڈیڈی کا کیس ہے؟
"میرا کیس۔ ڈیڈی کا کیس ہے؟

ڈیڑی کا کیس۔ اشفاق نے حیرت بھرے لمبے میں کہا۔
وہی کیا۔ ہم بھی حیران تھے۔

اُن۔ میرے ڈیڑی بہت جھکی انسان ہیں۔ کئی کئی دن
اس بند کمرے میں گزار دیتے ہیں جس میں اب گئے ہیں۔ میں
دروازہ چلتی بیٹھی تک باقی ہوں۔

اُسے آپ رہے۔ کیس وہ اب بھی تو کئی دن کے لیے
نہیں پلے گئے؟ آفتاب گہرا گیا۔

کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اگر وہ آپ کی بینک کو بھول کر
گئی تجربے میں مصروف ہو گئے تو ہو سکتا ہے۔ اب کئی
دن بعد بھی دروازہ کھلے۔

مارے گئے پھر تو؟ اشفاق کے منہ سے نکلا۔
لیکن وہ اس دوران کھاتے کیا ہیں؟

انہوں نے بسکٹ اور پانی کا ذخیرہ کر رکھا ہے اندر۔
وہ بولی۔

یا اللہ رحم۔ اُن تو آپ ہم سے کیا مل کرانا پاتی ہیں؟
یہ کہ ڈیڑی۔ کئی کئی دن بند کمرے میں کیا کہتے رہتے

ہیں، کیا وہ واقعی کمرے میں ہی رہتے ہیں؟ ڈالی نے سرگوشی
کی۔

گنگ۔ کیا مطلب؟ میں نے پریشانی کر کہا۔

سنیے۔ میرا خیال ہے۔ میں نے اس کے دل میں
رکھا ہے۔ وہ اس راستے کے ذریعے تھوڑے کاہت سے کل کر کہیں
پلے جاتے ہیں۔ اور کئی دن گزار کر واپس آتے ہیں۔ یہی
وہ ہے کہ میرے دروازہ پر پٹنے کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا
ڈالی جلدی جلدی کہتی چلی گئی۔

یہ تو آپ بہت حیرت انگیز باتیں کر رہی ہیں۔ سنان
کہیے گا۔ ذرا کم حیرت انگیز باتیں کریں؟ آفتاب نے گہرا
ہونے لہجے میں کہا۔

تو کیا آپ میری باتیں مذاق سمجھ رہے ہیں، اچھا خیر۔ بے
اپنا فون نمبر نوٹ کرادیں۔ اب وہ جب بھی کمرے میں بند
ہوں گے۔ میں آپ کو اطلاع کر دوں گی، آپ آکر جائزہ
لے لیجیے گا۔

یہ۔ یہ۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ میں نے جلدی سے کہا۔
تو پھر معاوضہ ملے ہو جانا چاہیے؟ ڈالی نے کہا۔

بس جو آپ دے دیں گی۔ لے لیں گے؟ میں نے عاجزانہ
انداز میں کہا۔

بھائی جان۔ یہ کیا بات ہوئی؟ آفتاب نے برا مان کر کہا۔
گویا کہنا چاہتا تھا۔ شوک بجا کر معاوضہ ملے کریں۔ میں نے اُس

کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ تو ڈالی بولی:

ٹھیک ہے؟

کیا ٹھیک ہے؟

میں آپ کو دس ہزار روپے دوں گی؟

ہی۔۔۔ آپ کیا فرما رہی ہیں۔۔۔ اطلاق لے لو گھر کر

کا۔

نہو۔۔۔ شادی میں نے معاوضہ بہت کم بتایا ہے۔۔۔ پچھلے

پندرہ ہزار دسے دوں گی؟ ڈال بولی۔

آپ۔۔۔ اتنے سے۔۔۔ کام کے۔۔۔ آئیں پندرہ ہزار دیں گی؟

آفتاب کھو کے کھو گئے لیے میں ہا۔

اں۔۔۔ لیکن کام اتنا سناٹا نہیں ہو گا؟

تو پھر کتنا سناٹا ہو گا؟ آفتاب لے گا۔

میرا مطلب ہے۔۔۔ کال شکل ہے کام۔۔۔ ڈیڑی کے

دسے میں؟ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔۔۔

آپ فکر نہ کریں۔۔۔ ہم معلوم کر میں گے؟

تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ معاوضہ دے دو۔۔۔ فون نہر کھسواؤں؟

میں لے فون نہر کھسوالے کے پاس گا۔

لیکن میں؟ معاوضہ منظور نہیں؟

تو کیا پندرہ ہزار ہی کم ہیں۔۔۔ پھر آپ کتنے چاہتے ہیں؟ اس

نوشکرار لیے میں گا۔

صرف دو ہزار؟ میں لے گا۔ آفتاب کا منہ لی گا۔

ہی۔۔۔ کیا فرمادیا۔۔۔ صرف دو ہزار؟

ہی اں۔۔۔ اس سے خیال میں؟ کام دو ہزار روپے سے

راہ ہو نہیں سکتا؟

پچھلے۔۔۔ پھر۔۔۔ آپ کی مرضی۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔

لیکن میرے لیے؟ بات ہے بہت سیرت انگیز۔۔۔ کہ ایک آدمی

اور آپ کو پندرہ ہزار دسے دے رہا ہے اور آپ صرف دو ہزار

پنا قبول کر رہے ہیں؟

صاف کیجیے گا۔۔۔ میں بھی ایک بات آپ سے معلوم کرنا چاہتا

ہوں؟ اطلاق لے زبان بولی۔

غرض۔۔۔ فرمائیے؟

کیا آپ کے پاس پندرہ ہزار روپے موجود ہیں؟

پندرہ ہزار کیا۔۔۔ میرے اکاؤنٹ میں تو ڈیڑھ دو لاکھ

روپے ہوں گے۔۔۔ ڈیڑی غریب آدمی نہیں ہیں۔۔۔

میں انکی وقت و روزہ کھانے کی آواز سنائی دی۔

بے وقوف الوؤ

پروفیسر جاس شان میک اٹھ میں لیے اندر داخل ہوئے
ان کے چہرے سے بیزار ہی ٹپک رہی تھی۔ میک میری طرف
کرتے ہوئے بولے:

”یہ تو بھئی اپنی میک۔ بس یہ صرف ایک میک ہی ہے
اور کچھ بھی نہیں، اس کے پیٹھ منہ جیب ہیں۔ ان کے بتانے
میں ضرور خاص رنگ استعمال کیے گئے ہیں جن کی دہر سے ہر چیز سندی
نظر آتی ہے۔ اور اس میں کوئی بات نہیں۔“

”بہت بہت شکریہ جناب۔ ہم نے آپ کو زحمت۔“

میسے الفاذا درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی
بجی تھی۔ پروفیسر صاحب نے اٹھ اٹھا کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ
کیا اور ویسٹرو اشاکر کان سے لگاتے ہوئے بولے:

”ہیلو۔ پروفیسر جاس شان بول رہا ہوں۔“

پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے، ہم نے ان کے

چہرے پر حیرت اور انہیں کے بادل میرے دیکھے۔ وہ گھبراہٹ
مٹ نہ سکی۔ گھنٹی گونجنے لگی۔ آخر ویسٹرو رکھ دیا۔ اس کے
ساتھ ہی ہم نے صوفیوں کیا، ان کی حیرت اور خوف اب غالب
ہو چکے تھے۔
جیب بے وقوف ہے یہ شخص بھی۔ ڈرا ہی دیا تھا مجھے۔
”جینے جینے آغاز میں بولے۔
”کون تھا ٹیڈی۔“

”یہ ایک دوست۔ تم اسے نہیں جانتیں۔ پچھلے ایک بھوتی
غیر ملکی اور پھر بعد میں بتانے لگا کہ وہ تو مذاق کر رہا تھا۔ خیر
چونکہ میں بھی کبھی ایسا مذاق کروں گا کہ اس کی آنکھ نہیں بھی
باز رہیں گی۔ میں بھئی۔ اب جب کہ تم لوگوں کو اس میک
کی حقیقت کا پتا چل چکا ہے۔ مجھ سے اور کیا چاہتے ہو؟
”جی بس۔ اور اجازت چاہتے ہیں؟ آفتاب نے مسکرت
بتائی: اس کے علاوہ چاہ بھی کیا سکتے ہیں؟“

”ٹھیک ہے۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ بیٹی۔ تم
انہیں دروازے تک چھوڑ آؤ۔ ویسے اگر تم لوگ یہ میک
فروخت کرنا چاہو تو میں خریدنے کے لیے تیار ہوں۔ میک
ہے خوبصورت۔“

”شکریہ جناب۔ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔“ میں نے اٹھتے ہوئے

کہا۔ "یہی ہیں۔ میں تمہیں اس کے اپنے بھلے ہونے سے سنبھال رہی ہوں۔" شاد پانچ ہزار روپے۔

"جی نہیں۔ ہم فروخت کرنا نہیں چاہتے۔"

"اچھا چلو۔ وہ ہزار لے لو۔ پروفیسر صاحب بولے۔

"میں اس وقت تک دروازے کی طرف رخ کر چکا تھا۔ اتفاق، اتفاق اور آفتاب بھی کرسیوں سے اٹھ چکے تھے۔ ان کا بھر

سن کر میں ایک جھٹکے سے مڑا اور بولا۔

"بچے بچے بتا کیے جناب۔ یہ عینک کے علاوہ کوئی اور چیز تو نہیں۔"

"نہیں۔ یہ صرف ایک عینک ہے۔ دنیا بھر کے سائنس دان

کو دکھاؤ۔ انہوں نے کہا۔

"تب پھر ڈیڑی۔ آپ اس کے دس ہزار روپے کیوں دے

رہے ہیں، ہم کیا کریں گے اس کا۔"

"میں۔ میں اس کے شیئوں کا تجزیہ کروں گا اور پھر ایسے

یشے بنانا شروع کروں گا۔ یہ ایک بہت منافع بخش کاروبار

ہوگا۔ ہم کروڑوں میں کمپنیں لگے، پروفیسر نے ہاتھوں کی طرح

غوشے ہو کر کہا۔

"لیکن ڈیڑی۔ ہمارے پاس تو پتلے ہی انگوٹھ روپے پڑے

ہزار روپے ہیں، ہم کروڑوں میں کیسے جیل میں لے آئے۔ آپ کو

بچانے کے لیے فروخت نہیں اور مجھے تعلیم سے۔ ڈالنے

پہلے ہی کر کے۔

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں بیٹی۔ ماں جیسی۔ وہ

ہزار ہی اگر کم محسوس ہوتے ہیں تو پندرہ ہزار لے لو۔

"پچھلے ٹیک ہے۔ نکالے پندرہ ہزار، آفتاب نے جلدی

کے کہا۔

"آفتاب خاموش رہو۔ ہم یہ عینک فروخت نہیں کر

سکتے۔ ایک لاکھ میں بھی۔ میں نے چیخ کر کہا۔ دراصل مجھے آفتاب

پر غصہ آ گیا تھا۔

"تب میں یہ عینک تم سے بغیر پیسوں کے حاصل کروں گا۔"

پروفیسر کو اپنا ٹکٹہ آ گیا۔

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔ ان تینوں نے بھی حیران ہو کر

انہیں دیکھا۔

"عینک میرے حوالے کر دو۔ یہ تمہارے کسی کام کی نہیں۔"

جب کہ میرے لیے یہ بہت کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔ میرا کاروبار

پوری دنیا میں پھیلے گا۔

"نہیں جناب۔ ہمیں افسوس ہے ہم مجبور ہیں، بے بس ہیں۔"

لہجہ میں۔ عینک نہیں دے سکتے۔

کہا۔
"لیکن بیٹی۔ میں تمہیں اس کے اچھے بھلے پیسے دے سکتا ہوں۔" شفا پانچ ہزار روپے۔
"جی نہیں۔ ہم فروخت کرنا نہیں چاہتے۔"
"اچھا چلو۔ دس ہزار لے لو۔" پروفیسر صاحب بولے۔
"میں اس وقت تک دروازے کی طرف رخ کر چکا تھا۔
"اشفاق اور آفتاب بھی کرسیوں سے اٹھ چکے تھے۔ ان کا ہنر
"تم میں ایک جھٹکے سے مڑا اٹھ بولا۔
"بچہ بچہ بتائیے جناب۔ یہ عینک۔ عینک کے علاوہ کوئی
"اور چیز تو نہیں؟
"نہیں۔ یہ صرف ایک عینک ہے۔ دنیا بھر کے سائنس دان
"کو دکھاؤ۔ انہوں نے کہا۔
"تب پھر ٹیڈی۔ آپ اس کے دس ہزار روپے کیوں دے
"رہے ہیں، ہم کیا کریں گے اس کا؟
"میں۔ میں اس کے شیشوں کا تجربہ کروں گا اور پھر ایسے
"شیشے بنانا شروع کروں گا۔ یہ ایک بہت منافع بخش کاروبار
"ہوگا۔ ہم کروڑوں میں کیلیں گے۔ پروفیسر نے بہنوں کی طرح
"خوش ہو کر کہا۔
"لیکن ٹیڈی۔ ہمارے پاس تو پچھلے ہی لاکھوں روپے پڑے

مڑ رہے ہیں، ہم کروڑوں میں کیسے کیلیں گے۔ آپ کو
اپنے تجربات سے فرصت نہیں اور مجھے تعلیم سے۔ ڈالی نے
حیران ہو کر کہا۔
"تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں بیٹی۔ ہاں بیٹی۔ دس
"ہزار بھی اگر کم محسوس ہوتے ہیں تو پندرہ ہزار لے لو۔
"پچھلے عینک ہے۔ نکالے پندرہ ہزار۔ آفتاب نے جلدی
"سے کہا۔
"آفتاب خاموش رہو۔ ہم یہ عینک فروخت نہیں کر
"سکتے۔ ایک لاکھ میں بھی۔ میں نے چیخ کر کہا۔ دراصل مجھے آفتاب
"پر غصہ آ گیا تھا۔
"تب میں، عینک تم سے بغیر پیسوں کے حاصل کروں گا۔
"پروفیسر کو اپنا لگ غصہ آ گیا۔
"کیا مطلب؟ میں چونکا۔ ان تینوں نے بھی حیران ہو کر
"انہیں دیکھا۔
"عینک میرے حوالے کر دو۔ یہ تمہارے کسی کام کی نہیں۔
"جب کہ میرے لیے یہ بہت کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔ میرا کاروبار
"پوری دنیا میں پھیلے گا۔
"نہیں جناب۔ ہمیں افسوس ہے ہم مجبور ہیں، بے بس ہیں۔
"لاچار ہیں۔ عینک نہیں دے سکتے۔"

آپ بیک وقت اتنا کچھ ہیں۔ کمال ہے : ڈال حیران ہو کر بول اور ہم اسے گھور کر رہ گئے۔ آفتاب سے رونا لگ گیا۔
بول اٹھا:

اگر یہ سب چیزیں آپ کو پسند ہیں تو آپ وصول کر لیں۔
میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ آؤ جی چلیں۔

غیر دار۔ تم لوگ نہیں جا سکتے : پروفیسر صاحب دعا ہے۔
جی کیا فرمایا۔ ہم نہیں جا سکتے۔ لیکن ہماری تو ٹانگیں بالکل درست ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ہم جا سکتے ہیں، بلکہ دوڑ بھی لگا سکتے ہیں۔

تم۔ تم لوگ بے وقت ہو : پروفیسر صاحب نے تھوکر مارا۔
کہا۔

ہو سکتا ہے۔ آپ کا یہ خیال درست ہو : میں نے فوراً کہا۔

اچھا سنو۔ میری ایک تجویز ہے : پروفیسر صاحب اپنا کم نرم پڑ گئے۔

پچھلے غیر۔ آپ ہمارے کام آئے ہیں۔ ہم بھی آپ کی تجویز سن رہے ہیں۔ اگر قابل قبول ہوئی تو ضرور مان لیں گے :

یہ ٹیک مجھے صرف چند دن کے لیے دے دو۔ اس کے بعد میں یہ تمہیں لوٹا دوں گا۔ چند دن تک دینے کے لیے بھی اگر

تم کچھ معاوضہ چاہو تو دینے کے لیے تیار ہوں۔ دس ہزار۔
میں ہزار۔ یا جتنا تم چاہو :
میں افسوس ہے جناب : میں نے کہا۔

کس بات پر افسوس ہے : پروفیسر صاحب حیران ہو کر بولے۔

اس بات پر کہ ہم آپ کی یہ تجویز بھی نہیں مان سکتے :
آخر کیوں۔ اس میں کیا برائی ہے : انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

یہ کہ۔ یہ ٹیک دراصل ہماری نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے پاس کسی کی امانت ہے :

کس کی : انہوں نے حیران ہو کر کہا : میں اس سے لے لوں گا :

یہ ہم نہیں بتا سکتے :

اچھا تو پھر میں ایک آخری تجویز پیش کر سکتا ہوں : پروفیسر صاحب نے کچھ سوچ کر کہا۔

پچھلے۔ ہم آپ کی آخری تجویز بھی سن لیتے ہیں :

ڈال۔ اوپر والی منزل سے میرا پیڈ اور قلم تو لانا :
آپ شاید آخری تجویز میری موجودگی میں نہیں بتانا چاہتے،

اس لیے مجھے اوپر بھیج رہے ہیں : ڈال نے ناخوش گوار لہجے میں

”اوہو ڈالی۔ ہر بات میں بحث نہ کیا کرو۔ مجھے تم کو سمجھنا
کی ضرورت ہے۔ آخری تجویز کے سلسلے میں۔“

”بہت بہتر۔ لٹے دیتی ہوں۔ لیکن پہلے وعدہ کیجیے کہ
آخری تجویز آپ میرے آنے پر ہی بتائیں گے۔“

”اچھا۔ اچھا۔ تم جاؤ بھی۔“ پروفیسر صاحب نے جھنجھلا کر
کہا اور ڈالی جلدی جلدی قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئی۔ ہم
اسے جاتے دیکھتے رہ گئے۔

”میری طرف دیکھو۔ آخری تجویز۔“ ہم نے پروفیسر کی آواز
سنی۔

”آخری تجویز کا تعلق سننے کی بجائے دیکھنے سے ہے کیا؟“
آفتاب بول اٹھا۔

”ہاں بے وقوف آؤ۔“ پروفیسر صاحب طنز بھرے لہجے
میں بولے۔

”ہم اُن کی طرف مڑے اور جھونپکے رہ گئے۔ ان کے ہاتھ
میں نیلے رنگ کا ایک بڑا سا پستول چمک رہا تھا۔“



ہمارے اوپر سے گزرتے ہوئے ایک شخص نے پتھر پھینکا۔
دل دھکڑا کرنے لگے اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے ابھی
پسٹیاں توڑ کر باہر ہی تو آگئیں گے۔ لیکن خدا کا شکر
ہے۔ وہ اندر ہی رہ گئے۔ شاید ان سے پسٹیاں نہیں ٹوٹ
سکیں۔

”یہ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں پروفیسر صاحب۔“ میں نے
ہلکا کر کہا۔

”پستول۔“ پروفیسر نے کہا۔

”جی۔ جی۔ وہ تو خیر ٹھیک ہے۔ کہ یہ پستول ہے اور ہو
گا بھی اصل ہی۔“ جھلا نقلی پستول تان کر آپ کیا کریں گے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ۔ آپ نے ہم پر پستول کیوں تانا؟
”آخری تجویز کے طور پر۔ اب تم چپ چاپ بینک میرے
حوالے کر دو۔ ورنہ میں صرف چار فائر کروں گا اور تم چاروں
کے سینے چلنی ہو جائیں گے۔“

”اور آپ ہم چاروں کے سینے صرف اس بینک کے لیے
چلنی کریں گے۔“

”ہاں۔ میں نے جو سوچا ہے۔ اس کے مطابق یہ بینک
کروڑوں روپے سے بھی زیادہ قیمتی ثابت ہوگی۔ میں اس قسم
کی بینکوں کی صنعت لگاؤں گا۔“

لی۔ ہسپتال ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ہاتھ پر گنے والی چیز ان کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد نیچے گری اور بڑھکتی پل گئی۔ ہم نے دیکھا۔ وہ ایک پیپر ویٹ تھا۔ شیشے کا۔ ہسپتال اچھل کر اشتیاق کے پیروں کے پاس آکر گرا۔ وہ اس سے ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

بھاگو۔ میں نے ہانک لگائی۔

ہم گرتے پڑتے باہر کی طرف بھاگے۔ پروفیسر صاحب جو ہسپتال ہاتھ سے نکل جانے پر حواس باختہ ہو چکے تھے، ہمارے بھاگنے پر اچانک ہوش میں آگئے اور ہمارے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر ہم نے رفتار اور بڑھا دی، گویا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ہینک پر میرا ہاتھ مضبوطی سے جما ہوا تھا۔

بیرونی دروازے پر پہنچ کر ہم رُک گئے۔ رُکتے نہ تو کیا کرتے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ جتنی دیر میں ہم دروازہ

کھولتے۔ پروفیسر ہم تک پہنچ جاتے۔ لہذا اب یہی بہتر تھا کہ ان کا انتظار کر لیا جائے۔ البتہ اشتیاق دروازہ کھولنے پر جھٹ گیا۔ اس کا کندھا دراصل بہت بڑا تھا اور اسے سکانے میں تقریباً پندرہ سیکنڈ لگ سکتے تھے۔ فوراً ہی ہم نے پروفیسر صاحب کو آتے دیکھا۔ اب وہ خالی ہاتھ تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی دھاڑے:

لیکن۔ ہینک تو آپ ہم سے غیر قانونی طریقے سے حاصل کر رہے ہیں۔ ہم یہاں سے سیدھے پولیس اسٹیشن جائیں گے اور آپ کے خلاف رپورٹ درج کرائیں گے۔ پولیس آپ کو گرفتار کرے گی۔

ضرور پچھ جائے پولیس اسٹیشن۔ لیکن ہینک مجھے دے

۔ ہمیں افسوس ہے جناب۔ ہم یہ ہینک اب بھی آپ کے حوالے نہیں کر سکتے۔ میں نے غزوہ آواز میں کہا۔

کیوں اب کیا مجبوری ہے۔ پروفیسر بولے۔

ہم بتا چکے ہیں، ہینک ہماری نہیں ہے۔ اگر ہماری ہوتی تو آپ کو بھروسہ دے دیتے۔ میں نے کہا۔

اگر ہینک میرے حوالے نہیں کرو گے تو ہمارے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

یہ ہمیں منظور ہے۔ میں نے جواب دیا۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھائی۔ ہم اس ہینک کے لیے جان کیوں دیں۔ جس کے مالک کا بھی۔ آفتاب کہہ رہا تھا کہ میں نے بعد ہی اس کی بات کاٹ دی،

خاموش رہو آفتاب۔ درمیان میں مار بیٹھوں گا۔

میں اسی وقت کوئی وزنی چیز پروفیسر صاحب کے ہاتھ پر

”میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“
لیکن جناب۔۔۔ پستول تو آپ اندر ہی بھول آئے ہیں۔ آفتاب
نے مٹوج آواز میں کہا۔

”تم لوگوں کے لیے تو میرے ہاتھ ہی کافی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ
دونوں ہاتھ پھینک کر ہماری طرف بچھے۔

ہم تینوں ادھر ادھر ہو گئے۔ ادھر اشتیاق گیٹ کھولنے
کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔
آفتاب سب سے پیٹے پر وفیسر کی پلٹ میں آیا۔ پروفیسر کا گھوڑا
اس کی ناک پر لگا۔ اور وہ ڈکھڑا گیا۔ یہ دیکھ کر میں غصے
میں آ گیا اور اندھا دھند پروفیسر صاحب پر جا گرا۔ یہ بعد میں
معلوم ہوا کہ میں فرسش پر گر ا تھا۔ پروفیسر تو جھکا ہی دے کر
اشتیاق پر پل پڑے تھے۔ میں تنہا کر اٹھا۔ اتنے میں آفتاب بھی
سنبھل چکا تھا۔ ساتھ ہی ہم نے اشتیاق کا نعروں مٹا۔

”دروازہ کھل گیا ہے۔“

لیکن اب کسے اتنا ہوش رہا تھا کہ دروازے کی طرف بھاگ
کھڑے ہوتے۔ اب تو ہم پروفیسر صاحب سے بھڑے ہوئے
تھے۔ ہم تینوں نے ایک ساتھ ان پر ٹکے برسائے۔ اور یہ دیکھ
کر ہماری سسٹی گم ہو گئی کہ ہم میں سے ایک کا منگنا بھی ان کے
نہیں لگا تھا۔ وہ ایک دم نیچے بیٹھ گئے تھے۔ ان ہمارے ٹکے

آپس میں ضرور ایک دوسرے سے ملے۔ درمیان سے نکل
کا تباہ کیا تھا۔ پروفیسر نیچے بیٹھے ہی ہمارے درمیان سے نکل
گئے۔ ادھر سے اشتیاق آ رہا تھا۔ وہ ان کے اوپر گرا اور دوسری
طرف اُلٹ گیا۔ اب جو ہم نے سنبھل کر دیکھا تو پروفیسر صاحب
دروازے اور ہمارے درمیان دیوار بنے کھڑے تھے۔

”بھاگ کر دیکھاؤ بچو ڈسٹ۔ وہ ہنس کر بولے۔

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔“

”مینک۔“ انہوں نے جھٹ کہا۔

”یہ کیسی مینک؟ میں نے بتا کر کہا اور مینک والا ہاتھ

ان کی طرف بڑھا دیا۔

”جانی جان۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ اشتیاق پتلا یا۔

”ارے لا حول ولا قوۃ۔ میں تو بھول ہی گیا۔ یہ مینک تو

ہم دے ہی نہیں سکتے۔ خیر۔ میں آپ کو دوسری مینک لائے

دیتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ بس ذرا انتظار ضرور کریں۔“

”میں کتنا ہوں۔ مینک بچے دو۔“ پروفیسر تو گویا مینک کے

لیے پاگل ہو رہے تھے۔

اپنا کب بچے نہ جانے کیا سوچی۔ اندر کی طرف بھاگ

کھڑا ہوا۔

”ارے۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آفتاب نے بلند آواز

میں کہا۔
 "آؤ۔" میں چٹکیا۔ اور وہ بھی میرے پیچھے بھاگے۔ دوڑتے
 ہوئے ہم اندرونی جتنے میں داخل ہوئے۔ تو ڈالی پر نظر پڑی۔
 بہت قتل مندی دکھائی تم نے۔ وہ خوش ہو کر بول۔
 "کون سی قتل مندی؟ میں نے حیران ہو کر کہا۔
 "اور کیا۔" مجھے تو یہاں فور دور تک کسی قتل مندی کا نشان
 نظر نہیں آ رہا۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"دروازے کی بجائے ادھر کا رخ کر کے۔" آؤ میرے ساتھ جلدی
 کرو۔ ڈیلڈی ایک فوری آؤی ہیں۔ وہ تو تمہاری ہڈیوں کا سرور
 بنا دیتے۔ مجھے ہستول اٹھانے میں دیر ہو گئی۔
 یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ تھاما اور ایک سمت میں بھاگ
 کھڑی ہوئی۔ ہم چاروں کو اس کا ساتھ دینا پڑا۔ اور ہم دوڑتے ہوئے
 عمارت کے پچھلے دروازے تک آ گئے۔

"بس اب نکل جاؤ۔ اور اتنا یاد رکھنا۔ تمہیں میڈیکس مل کرنا
 ہے۔" بھلا سودا پسندہ ہزار روپے میں ملے ہوا ہے۔
 "مل۔" لیکن اب ہم یہاں کس طرح آ سکتے ہیں۔ آپ کے
 ڈڈ۔ ڈڈ۔

میرے اٹاڈ ملق میں پھنس کر رہ گئے۔ پروفیسر صاحب دوڑے
 پھرتے آ رہے تھے۔ بس پھر کیا تھا، ہم سر ہٹ بھاگے۔ اور سڑک

پہننے سے پہلے نڈر کر ڈیکھا۔ لیکن جو نہی مڑ کر دیکھا۔
 اس باغیچہ ہو گئے۔ پروفیسر ایک کار میں بیٹھے بھاگے پیچھے
 آ رہے تھے۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ تھا اور ایسا معلوم ہوتا
 تھا جیسے انہوں نے جینک مارشل کے بغیر پیچھا نہ چھوڑنے کی قسم
 کھال ہو۔

ہم اگر سڑک پر رہی بھاگتے رہتے تو وہ ہم تک آن کی
 آن میں پہنچ سکتے تھے۔ ان سے بچنے کے دو ہی راستے تھے۔ یا تو
 ہیں فوری طور پر کوئی ٹیکسی مل جاتی یا ہم سڑک چھوڑ کر تنگ
 گیوں میں گھس جاتے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تنگ گیوں تو یہاں
 سب سے قریب ہی نہیں۔ وہ تو اس طرح غائب تھیں جیسے
 گھسے کے سر سے سینک۔ ہمیں ان تنگ گیوں پر بے تماشہ غصہ آیا
 جو غائب تھیں۔ مرتے کیا نہ کرتے، دوڑتے پلے گئے۔ کسی ٹیکسی
 کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ کار بدستور ہمارے پیچھے لگی تھی۔
 اور ہر آن ہم سے نزدیک ہوتی جا رہی تھی۔ اب تو ہم ہوش و
 حواس کھونے لگے۔ میں اس وقت ایک فائر کی آواز گونجی۔ ٹائر
 پھٹنے کی آواز نے ہمیں ہلکا کر رکھ دیا۔ دوڑتے دوڑتے ہم نے مڑ
 کر دیکھا۔ پروفیسر صاحب کی کار لوکھڑا رہی تھی۔ گویا اسی کا
 ٹائر پٹا تھا۔ دور بہت دور۔ ہمیں ڈالی کی جھلک دکھائی دی۔
 گویا اپنے باپ کی کار پہ فائر اسی نے کیا تھا۔

ہم حیران رہ گئے۔ اتنی عجیب و غریب روکی سے بہار
واسطہ زندگی میں پہلی مرتبہ پڑا تھا۔ بہت دور تک دوڑنے کے
بعد کہیں جا کر ہیں ایک ٹیکسی لی۔ دفتر سے کافی دور ہمیں ارشد
کوہ نظر آیا۔ اسے دیکھ کر میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا،
"ڈرائیور۔ صاحب۔ ٹیکسی اس لڑکے کے قریب روک
لیں۔"

اس نے کچھ کے بغیر ٹیکسی روک لی۔ ارشد پہلے ہی ہیں
دیکھ چکا تھا۔ ہندی سے آگے بڑھ کر بولا،
"آپ لوگ دفتر کا رخ نہیں کریں گے؟"
"کیوں۔ کس لیے۔ خیر تو ہے۔"

"دفتر اور مکان کے آس پاس۔ کچھ لوگ ٹھیلے نظر آ رہے
ہیں۔ ان کے ارادے نیک نظر نہیں آتے۔ وہ لوگ آپ کا
ہی انتظار کر رہے ہیں؟"
"اوہ۔" ہم دھک سے رہ گئے۔

"اور آبا جان اور اتنی جان؟ میں نے سوالیہ لہجے میں کہا۔
"وہ گھر میں موجود ہیں۔ میں بھی تھوڑی دیر پہلے دفتر میں تھا۔
ان میں سے صرف ایک نے آکر آپ لوگوں کے بارے میں پوچھا
تھا۔ میں نے کہہ دیا۔ معلوم نہیں آپ لوگ کہاں ہیں۔
پھر میں مکان کے اندر داخل ہوا۔ اور چمت پر پڑھ کر کئی چمتیں

تجربہ کیا۔ تب کہیں جا کر نیچے اترے۔
"تم نے بہت عقل مندی دکھائی؟ اشفاق نے گجراتی
کہا۔
"اتنی عقل مندی تو ہم بھی نہیں دکھا سکتے تھے۔ آفتاب
نے منہ بتایا۔

"مہربانی فرما کر مجھے تو فارغ کر دیں؟ ٹیکسی ڈرائیور کی جھلکی
ہوئی اور اس نے ہمیں چونکا دیا۔
"اوہ ہاں۔ ضرور جناب۔ کیوں نہیں؟" یہ کہہ کر میں نے
بس کا بل ادا کر دیا اور ہم نیچے اتر آئے۔ وہ آگے بڑھ
گیا۔

"اور کوئی نئی خبر؟"
"جاوید اکرم صاحب نے فون کیا تھا۔ وہ کوئی مینکوں کے
ماہر ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ جب بھی آئیں۔ انہیں فون
کر لیں، فون کا تار میں نے جوڑ لیا تھا۔ اس نے بتایا۔
"چلو بھئی۔ پہلے انہیں ہی فون کر لیں۔ شاید انہیں میک
کے بارے میں کوئی بات سوجھ گئی ہے۔ جو وہ ہمیں بتانے
کے لیے بے چین ہیں۔" میں نے کہا اور ہم ایک سمت میں قدم
اٹھانے لگے۔

اب میں کیا کروں: رشید نے گہرا کر کہا۔
تم بھی ہمارے ساتھ آؤ۔ ان حالات میں تمہارا دفتر بہت
مناسب نہیں۔
ایک پبلک فون بوتھ سے میں نے جاوید اکرم کو فون
کیا۔
ہیلو جاوید صاحب۔ میں شوکی بول رہا ہوں۔ فرمائیے۔
کیا بات ہے؟
میں تم لوگوں پر اپنے نقصان کا دعویٰ کرنے والا ہوں!
انہوں نے غصیل آواز میں کہا۔
جی۔ کیا مطلب؟ میں زور سے چمکا۔
تم لوگ بچے پبلک دکان نے آئے تھے۔ تمہارے ہاتھ
کے تھوڑی دیر بعد ہی چار فٹ سے بڑے مکان میں آ گئے۔
انہوں نے بچے مارا پیٹا۔ میرے گھر کی کلائی ل۔ پیڑوں کو توڑا
پھوڑا۔ وہ اسی پبلک کی تلاش میں تھے کہ تم لوگ بچے دکان نے
آئے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ لوگ بچے پبلک دکان نے آئے۔
دعا آٹا نقصان ہوتا۔ بچے مارا پیٹا ہوتا۔ لہذا میں تم لوگوں
پر مقدمہ دائر کر رہا ہوں۔
میں ہلکتے ہیں آگیا۔ انا جاننے لگا تھا کہ پبلک
نظر ناک ہے۔ اب ہم ہر طرف سے شہادتیں لے کر گئے تھے۔

خدا بھارتے گھر کے ارد گرد پلوں کے موجود تھے۔ جو ہاتھ پر
نیل رہے تھے۔ لیکن درحقیقت ہماری تاک میں تھے۔ اس
وقت جاوید اکرم کی آواز میرے کانوں سے ٹھوڑی
ہیلو مشو شوکی۔ کہاں سو گئے۔ بولو۔ تم کیا کہتے ہو۔

جی۔ کیا مطلب؟ میں زور سے چمکا۔
تم لوگ بچے پبلک دکان نے آئے تھے۔ تمہارے ہاتھ
کے تھوڑی دیر بعد ہی چار فٹ سے بڑے مکان میں آ گئے۔
انہوں نے بچے مارا پیٹا۔ میرے گھر کی کلائی ل۔ پیڑوں کو توڑا
پھوڑا۔ وہ اسی پبلک کی تلاش میں تھے کہ تم لوگ بچے دکان نے
آئے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ لوگ بچے پبلک دکان نے آئے۔
دعا آٹا نقصان ہوتا۔ بچے مارا پیٹا ہوتا۔ لہذا میں تم لوگوں
پر مقدمہ دائر کر رہا ہوں۔

جی۔ کیا مطلب؟ میں زور سے چمکا۔
تم لوگ بچے پبلک دکان نے آئے تھے۔ تمہارے ہاتھ
کے تھوڑی دیر بعد ہی چار فٹ سے بڑے مکان میں آ گئے۔
انہوں نے بچے مارا پیٹا۔ میرے گھر کی کلائی ل۔ پیڑوں کو توڑا
پھوڑا۔ وہ اسی پبلک کی تلاش میں تھے کہ تم لوگ بچے دکان نے
آئے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ لوگ بچے پبلک دکان نے آئے۔
دعا آٹا نقصان ہوتا۔ بچے مارا پیٹا ہوتا۔ لہذا میں تم لوگوں
پر مقدمہ دائر کر رہا ہوں۔

جی۔ کیا مطلب؟ میں زور سے چمکا۔
تم لوگ بچے پبلک دکان نے آئے تھے۔ تمہارے ہاتھ
کے تھوڑی دیر بعد ہی چار فٹ سے بڑے مکان میں آ گئے۔
انہوں نے بچے مارا پیٹا۔ میرے گھر کی کلائی ل۔ پیڑوں کو توڑا
پھوڑا۔ وہ اسی پبلک کی تلاش میں تھے کہ تم لوگ بچے دکان نے
آئے تھے۔ مطلب یہ کہ آپ لوگ بچے پبلک دکان نے آئے۔
دعا آٹا نقصان ہوتا۔ بچے مارا پیٹا ہوتا۔ لہذا میں تم لوگوں
پر مقدمہ دائر کر رہا ہوں۔

خونناک شکر

آپ ٹھکر دیکھیں جناب۔۔۔ متدد کرنے کی ضرورت نہیں۔
کیونکہ مقصدے کا فیصلہ آپ کے حق میں نہیں ہوگا۔۔۔ براہ راست میں
اس کو توڑ پھوڑ کا اہرام نہیں دیا جاسکتا، تاہم چونکہ آپ
خیال کرتے ہیں کہ یہ نقصان ہماری وجہ سے ہوا ہے، اس لیے
ہم آپ کا نقصان پورا کرنے کے لیے ابھی حاضر ہوتے ہیں۔
آپ حساب لگائیں۔

”یہ۔۔۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟ جاوید اکرم نے ہکا کر کہا،
شاید انہیں ایسے نرم جواب کی امید ہو رہی تھی۔
”بالکل ٹھیک کہا ہے میں نے۔۔۔ ہم تھوڑی دیر تک آپ
کے پاس آئیں گے، لیکن ذرا یہ تو بتائیے، ان چاروں کے
پہلے کیا تھے؟

”پہلے۔۔۔ میں کیوں نہیں آئی ان کے پہلے بتا سکتا ہوں۔
ان میں سے ایک تو بہت پہلے اور چوتھے گدا کا مالک تھا،

اس کا چہرہ بھی بہت پرامن تھا۔۔۔ ایک ساخوٹے رنگ کا، دو سر اگوستے رنگ اور تیز
کے تھے۔ ایک ساخوٹے رنگ کا، دو سر اگوستے رنگ اور تیز
شیاے رنگ کا تھا۔

”ہیں۔۔۔ اتنی تفصیل ہی کافی ہے۔ میں نے جلدی سے کہا۔
کیونکہ بات صاف ہو چکی تھی، دو چاروں سرخ کار والے
ہی تھے۔ ان میں سے ہی ایک لڑکی کے نکل جانے کے
فورا بعد ہمارے دفتر میں آیا تھا۔ اور پھر ہمیں یہی لوگ ہانڈ
کر ڈال گئے تھے۔ اب ہمارے گھر کے ارد گرد بھی شاید یہی
لوگ تھے۔ یقین کرنے کے لیے میں ارشد کی طرف مڑا،
”ارشد۔ اس وقت ہمارے گھر کے گرد جو لوگ نکل رہے
ہیں۔ کیا یہ وہی ہیں جنہوں نے ہمیں ہانڈا تھا؟

”جی ہاں۔ بالکل۔ ان میں چوتھے چہرے والا بھی ہے۔
اس پہلے تو میں نے غلط محسوس کیا تھا اور یہاں آکر کھڑا ہو
گیا تھا۔

”لیکن تمہیں یہ بات کس طرح معلوم تھی کہ ہم اسی طرف
سے آئیں گے؟

”اصل سے معلوم کیا تھا کہ آپ لوگ کہاں گئے ہونگے میں
اور کس طرف سے آپ لوگوں کے آنے کا امکان ہے؟ اس نے
جواب دیا۔

جستی واہ۔ تم تو جاسوسی میدان میں ہم سے بھی زیادہ آجے معلوم ہوتے ہو: اشتقاق غوث ہو کر کہ۔

میں نے کچھ سوچ کر گھر کے فہرہ ڈائل کیے۔ فوراً ہی
آجہاں کی عمر میں دہلی آواز سنائی دی،
"بہنو۔ مشتاق احمد بول رہا ہوں۔"

آپا جان۔۔۔ میں شوکی بول رہا ہوں۔۔۔ اور سب غیریت کو ہے۔

ہاں۔ یہاں ہر طرف خیریت ہے۔ مگر تم کہاں سے
 لوٹ رہے ہو۔ گھر کا کون سا کون سا۔ آس پاس کوئی اور قسم کے
 لوگ گھوم پھر رہے ہیں:

ارشاد ہم سے مل چکا ہے۔ آپ نکرہ کریں۔ اگر آپ کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں تو ہم اہل کاشان یا اہل خدائی کو آپ کے پاس بھی دیں۔

نہیں۔ ان لوگوں سے ہیں کوئی خطرہ نہیں۔ خطرہ تو ان سے نہیں ہے۔

”آپ ہماری فکر کریں۔“

تھوڑی دیر بعد ہم ایک جیکسی میں بیٹھے جاوید اکرم کے گھر
کا رخ کر رہے تھے۔ راستے میں شہر کی ایک بڑی مارکیٹ سے

میں نے ایک دو چریں جس غریبی ... ہاویہ اکرم نے پانچ ہزار
 لکھنیاں بنایا۔ پچیس ایک میسے اس شخص ... میں نے اسے
 پانچ چار سو پچیس لکھ دیا۔ اسے بہادر زنج اس لڑکیا کے گھر
 کی طرف تھا۔ چیس واسے نے ہمیں بڑی شکر پہ آکر دیا۔
 اس کوئی چوٹی شکر پر ہمیں پھیل جہا پڑا۔ لڑکیا کے دروازے
 پہ پہنچے تو اس کے رونے کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ بہادر سے
 دل پیٹنے لگے۔ تر تر کا پتہ استوں سے میں نے دھک دی۔
 ہلے ہی دروازہ کھل گیا اور روتی ہوئی ہڑھی آدمی آنکھیں دکھائی

کون ہے : آواز بھی گویا دور ہی تھی۔

ہم آپ کی بیٹی کو تلاش کرنے گئے تھے۔ ہم جی۔ ایم۔ آپ کی بیٹی کو تلاش کرنے گئے تھے۔
ہم آپ کی بیٹی کو تلاش کرنے گئے تھے۔ ہم جی۔ ایم۔ آپ کی بیٹی کو تلاش کرنے گئے تھے۔

• قسمت میں یہی لکھا تھا میرے بچے:

ہدایس انکپور نے آپ کو بلایا تھا۔ شناخت کے لیے آ

میں نے پوچھا۔

ان۔ میں نے اپنی بیٹی کی لاش کے چہرے اور جسم پر
 اتنے پھیر کر اسے شناخت کر لیا ہے۔ اس کی تاک اور مکان
 بارہ ابھرے ہوئے کل بھی تھے۔ میں نے ان تلوں کے بارے

میں بھی پوچھا تھا۔ معلوم ہوا، آئی موجود ہیں، لہذا اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ دانش میری بیٹی کی ہی ہے۔ یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

ہم اسے لے کر اندر آ گئے۔

”ماں جی آپ اتنا نہ روئیں۔ آپ۔ آپ ہمیں اپنے بیٹے بنالیں۔ ہم آپ کی خدمت کیا کریں گے۔ آپ کے اخراجات ادا کریں گے۔ آپ کی ضروریات پوری کیلیں گے۔“ خدا تمہیں خوش رکھے: اس نے دعا دی۔

اب ہم نے گھر کا جائزہ لیا تو چونک اٹھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ہر چیز کی کاشی لی گئی تھی۔

”ماں جی۔ کیا کوئی دور بھی آیا تھا یہاں؟“

”پولیس والے ہی آئے تھے۔ نہ جانے کیا دیکھ رہے تھے گھر میں۔ کہتے تھے، کاغذی کارروائی پوری کر رہے ہیں۔ اب میں اندھی بڑھیا کیا جانوں۔“

”اوہ؟“ میرے منہ سے نکلا۔ پھر میں نے سر کو جھٹکا دیا اور ان تینوں سے ہوا۔

”اپنی اپنی جیبوں میں ڈالو ڈالو۔ اور جو کچھ ہے نکالو۔“ ساتھ ہی میں لے لے بھی اپنی جیب سے تمام نقدی نکال لی۔ چاندی کی جیبوں میں سے کچھ کچھ ضرورت کے طور پر

کے مطابق کچھ پیسے بچا کر باقی سب بڑھیا کے کمرے میں گھاسے ہوئے ہم باہر نکل آئے۔ اب میں پھر ایک پیکی فون پورے میں داخل ہوا۔ ریسپورڈ اشایا اور نمبر گھمانے لگا،

”ہیلو۔ جلدی فور بول رہا ہوں۔ پولیس اسٹیشن نصیر آباد ہے۔“

”میں آپ کا خادم ہوں شوکی۔ تو بڑھیا نے دانش شناخت کر لی۔ انکل اس سلسلے میں آپ میرا شکریہ تو ادا کرنے کے لیے بے چین ہوں گے۔“

”اا۔ فوراً پولیس اسٹیشن پہنچو۔“

”بہت بہت شکریہ۔ ابھی آرہے ہیں۔ میں نے خوش ہو کر کمال ریسپورڈ رکھ دیا۔“

”آؤ بھئی۔ جلدی فور صاحب ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔“

”کس سلسلے میں؟“ اخلاق حیران ہو کر ہوا۔

”ہم نے لڑکی والے کیس میں ان کی مدد جو کی ہے۔ ورنہ وہ تو لڑکی کے وارث کا ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک جاتے۔“

”تو شکریہ وصول کرنے کے لیے تھانے ہانے کی کیا ضرورت؟“

”فون پر ہی وصول کر لیا ہوتا۔“ اشفاق ہنسنے ہنسا کر کہا۔

”وہ ہمیں دہیں بلا رہے ہیں۔“

”دہلے کیا بات ہے۔ بے حیثیت تلافی میں جاتے ہوئے
ڈرگٹا ہے: آفتاب نے منہ بنایا۔

”اس کی دہر میں بتائے دیتا ہوں۔ تم بہت بزدل واقع
ہوئے ہو: انصاف مسکرایا۔

”شکریہ جانی جان: آفتاب نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔
اور ہم جلد ہی پولیس اسٹیشن میں جلالی نور کے سامنے مہم
تھے۔

”تم لوگوں کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی کہ حادثے میں
مرنے والی روکی کا تعلق اس آدمی بڑھیا سے ہے: اس کی
گھروہی آواز ہمارے کانوں سے نکل رہی تھی۔

”یہ بات تو ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں۔
میں نے کاشان سے فون پر بات کی تھی۔ اس سے معلوم
ہوا کہ تم نے پھیل مشرک کا جائزہ لیا تھا۔ تم اس بڑھیا سے

بھی ضرور ملے ہو گے، لیکن اتنی سی بات سے یہ اندازہ کس طرح
بھی نہیں لگ سکتا کہ فلاں جگہ حادثے کا شکار ہونے والی روکی
اس عورت کی بیٹی ہے: اس نے اپنی غمخوار آنکھوں سے ہمیں
گھورتے ہوئے کہا۔

”ٹیک ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اس مشرک پر سے ہمیں
ایک نیلے رنگ کا کاشا ملا تھا۔ اس حادثے کے بارے میں

میں ہم داس جھگ میں پہنچنے سے پہلے ہی معلوم ہو چکا
تھا۔ جب ہم واپس لوٹے تو آپ لاش اٹھا چکے تھے۔

”مناظرہ ہم نے آپ سے فون پر بات کی اور کاشان کے بارے
میں معلوم کیا۔ دوسرا کاشا لاش کے کان میں تھا۔ لہذا اس
سے ہم اس کے سوا کیا نتیجہ نکال سکتے تھے کہ وہ روکی اس بڑھیا
کی بیٹی ہے۔ اس کی ماں نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ اس کی
روکی اس مشرک پر گھومنے پر لے کی عادی تھی۔“

”لیکن مجھے یقین ہے۔ اس کے سوا بھی کوئی بات ہے۔
اس نے تیز نظروں سے میرا جائزہ لیا۔

”آپ ہی بتائیں۔ اور کیا بات ہو سکتی ہے:
”خیر۔ تم لوگ ہا سکتے ہو۔“ اس نے کمال بے نیازی
کا مظاہرہ کیا۔

”اور وہ تو روہ ہی گیا۔“ میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
”کیا روہ گیا: جلالی نور نے چاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔
”وہ۔ جس کے لیے آپ نے ہمیں بلایا تھا۔“

”کس کے لیے بلایا تھا: جلالی نور کے لہجے میں حیرت تھی۔
”شش۔ شش۔ شش۔ ادا کرنے کے لیے۔ کیا آپ اس
سطحے میں رہنا چاہتے ہیں ادا نہیں کریں گے:

”اور ہاں۔ شکریہ: اس نے بھاڑ سا منہ کھولا۔ اس قدر

نویں کے شکر کے لیے کی نہیں ایک فیصد ہی امید نہیں تھی۔ ہم سر
پاؤں رکھ کر تھانے سے باہر نکلے۔ اب ہم نے کاشان کا رخ
کیا۔ انہوں نے تیز نظروں سے ہمیں گھورا۔
"کہاں آوارہ گردی کرتے پھر رہے ہو۔"

"جی ہاں۔ کیا بتائیں۔" لیکن نہیں ہم کیا بتائیں گے۔ پہلے تو
آپ بتائیں رام داس بڈنگ کے مقتولوں کا کیا رہا؟
"یہ سب تو میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم بتاؤ۔" اس
لڑکی کا کیا معاملہ ہے؟ ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہمت! یہ کہہ کر پہلے تو میں نے اپنے دفتر میں لڑکی کے
داخل ہونے اور ٹینک چھوڑ جانے کے بارے میں بتایا، پھر وہ
"اس ٹوٹی پھوٹی سڑک کا جائزہ لیتے ہوئے ہم اس بڑھیا
کے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ سڑک پر سے ہمیں نیلے رنگ کا
ایک کاشا بھی دکھایا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ وہ کاشا ایسی پیلی صاب
نے بھی اٹھایا تھا اور پھر اسے غیر اہم سمجھ کر پھینک دیا تھا۔
ہم نے اس کاشے کو پھر اٹھایا۔ بڑھیا سے معلوم ہوا، اس
کی بیٹی بہت دیر سے گم ہے۔ آپ کی طرف آنے سے پہلے
ہمارے دفتر والی سڑک پر ایک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ والپس جاتے
وقت ہم نے اس کی تفصیل معلوم کی تو پتا چلا کہ ایک لڑکی
ہلاک ہوئی ہے۔ ہاں خیال گزرا۔ کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں؟

ہم نے جلدی نور صاحب کو فون کر دیا۔ کیا ہم نے اچھا
نہیں کیا۔ میں جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔
"نہیں خیر۔ کیا تو تم لوگوں نے بالکل ٹھیک۔ اب سنو۔
ان تینوں کے بارے میں۔ تینوں جیل سے بھاگے ہوئے۔
جرم ہیں۔ ان پر بے شمار الزامات کے تحت مقدمات چلے
تھے۔ سب سے بڑے الزام قتل کے تھے۔ اور عمر قید
کی سزا کاٹ رہے تھے۔ دو سال پہلے جیل سے بھاگ نکلے لو
اس کے بعد پولیس انہیں پھر گرفتار کر سکی۔ یعنی اس کے
بعد ان کی لاشیں ہی دیکھنے میں آئیں۔ اس دوران وہ تینوں
کہاں رہے۔ کچھ معلوم نہیں ہے۔ ان میں سے ایک کی جیب
سے ایک ہوٹل کا بل اور دوسرے کی جیب سے ایک خط ملا
ہے۔ خط اسے اس کے کسی دوست نے لکھا ہے۔ اس
کے الفاظ جیب سے ہیں۔ تو تم بھی دیکھ لو۔ اور ہوٹل کی
دسیدہ بھی۔"

یہ کہہ کر انہوں نے دونوں چیزیں ہمارے سامنے رکھ دیں
میں نے پہلے ہوٹل کا بل دیکھا۔ یہ ہوٹل رین بو کا بل تھا۔
تین سو سات روپے کا۔ اور یہ صرف ایک وقت کے کھانے
کا بل تھا۔ گویا تینوں خوب کھا پنی رہے تھے۔ اب میں خط
کی طرف متوجہ ہوا۔ لفافے میں سے کاغذ نکال کر اسے کھولا۔

اسی طرح وہ چیز کے لئے لڑا۔
وہ چیز ان کے جہاز سے پہنچ رہی
تھی۔ تم اصل جہاز پہنچ کر اسے وصول کرو گے۔
وہ جہاز تم سے چوکنا ہو جائے گا۔ معاملہ بہت
بڑا ہے۔

بچے کی کاہم نہیں نکالتا۔ ہم نے اس تحریر کو جاری

کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنے وہ نوں ساتھیوں
کے ساتھ وہ چیز حاصل کر لی تھی۔ لیکن پھر ان کا آپس
میں اس چیز کے بے جگہ ہونا اور یہ لڑ پڑے۔ کاشان
نے کہا۔

جی ہاں۔ میں ٹھیک ہے۔ یہی بات ہو۔ اور اس
سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اتنا عرصہ تینوں اس عمارت
کو اپنے ٹھکانے کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں۔ عمارت
پختہ ہی عرصے سے خالی پڑی تھی۔ الحاق نے کہا۔

معلوم یہی بات ہے؟

لیکن ایک دوسری بات بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ
ہو سکتا ہے۔ کہ وہ لوگوں نے ان تینوں کو ہلاک کر دیا

تو پھر کیا ہو سکتا ہے کہ ان تینوں کو اس شخص نے
ہلاک کیا ہو۔ جس نے یہ معاملہ نکالتا تھا۔ اس نے سوچا ہو گا۔ کیوں
ہلاک کیا جائے کہ بچے انہیں قتل کر دے؟

درازا چھاننے کے لیے انہیں قتل کر دے؟
لیکن ایک آدمی تین آدمیوں کو ہلاک کر لے میں کس
مرحہ کا بیاب ہو گیا۔ جب کہ یہ تینوں بھی عادی قسم کے مجرم

تھے۔

ہو سکتا ہے۔ وہ ان کا کوئی بہت بڑا گروہ ہو۔

نیر۔ دیکھا جائے گا۔ اب ہمیں معلوم یہ کرنا ہے

کہ وہ کیا چیز تھی۔ اور اسے حاصل کون کرنا چاہتا تھا۔ اگلے

کاشان۔ کیا آپ آج اور کل کے جہازوں سے آنے والے

ہیروزوں کی تفصیل حاصل نہیں کر سکتے؟

گوشش ضرور کر سکتا ہوں۔ کاشان نے پرجوش لہجے

میں کہا۔

تو پھر مہربانی فرما کر یہ گوشش ذرا جلدی کریں۔ اور ہاں۔

ہمیں ان تینوں مقتولین کی تصویریں دے دیں؟

کیوں۔ کیا تم ہوٹل برین ہو جانے کے لیے پرتول رہے ہو؟

کاشان نے شکر کر کہا۔

”جی ہاں۔ آپ کا الفاظ بالکل درست ہے۔
لیکن میں وہاں سے پہلے ہی معلومات حاصل کر چکا ہوں
وہی جو کے عادی صوفیہ انکا ہی بت سکے کہ یہ تینوں ان کے
ان کے کما کما سے آتے رہے ہیں۔“

”پالیس سے وہ آتے ہیں۔ اس لیے کئی باتیں
سازنے آتے سے وہ ہاتھ دیا۔ ہم اپنے طور پر تفسیر کرنا
چاہتے ہیں۔“

”یہ بات ہے۔ تم بونل رین ہو ملک ہو آؤ۔ اتنی درمی
میں ہزاروں کے سامان کی تفصیل معلوم کرتا ہوں؟
بہت بہت شکر ہے۔“

کاشان نے ہیز کی دراز سے تین تصویریں نکالیں اور ہمارے
سامنے رکھ دیں۔ ہم نے ایک نظر ان تصویروں کو دیکھا اور
کھڑے ہو گئے۔ تصویریں میں نے جب میں رکھ لیں۔ پالیس
اسٹیشن سے باہر چلے ہی تھے کہ ایک ٹیکسی آتی نظر آئی۔ میں نے
اتنے کا اشارہ دیا تو ٹوک گئی۔

”بونل رین بونل میں نے بیٹھے ہوئے کہا اور ٹیکسی چل
پڑی۔“

”معاذ اللہ! یہاں ہی چار رہا ہے۔“

”میں تو بہت ہی شروع ہو گا ہی۔ اخلاق نے پرمید لہے

”جی ہاں۔ اخلاق بولا۔
”دیکھو! اگر ہم ایک جگہ بیٹھ کر سکون سے حالات اور واقعات
کا شروع سے جائزہ لیں تو ضرور ہمارے ذہنوں میں کئی باتیں
صاف ہو جائیں گی اور ہم کچھ نا کچھ نتیجہ نکالنے میں کامیاب ہو
جائیں گے۔“ اخلاق بولا۔

”اب ہم یہی کریں گے۔ بس ذرا بونل رین بونل آئیں۔
اور اصل کاشان سے سامان کی لسٹ مل جائے۔ پھر گھر میں بیٹھ
کر کام سے خود کرنے کے سوا اور کام بھی کیا ہو گا۔ میں نے کہا۔
”کام۔ کام تو خیر ہمیں ڈالی کا بھی کرنا ہے۔ ہم پروفیسر
جاس کاشان کے کیس پر کام شروع کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ بھی
کچھ کم عجیب نہیں۔“ آفتاب بولا۔

”ہوں۔ ٹوکی تو ڈالی بھی کچھ کم عجیب نہیں۔ اس نے باپ
کے مقابلے میں ہماری۔“

”اخلاق کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اس کا مزہ حیرت
اور خوف سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔“

ٹینک آؤٹ دو

یہ ہوا۔ تم نے مجھ کو دھوکا دیا۔ کوئی بہت کچھ
نہ ہو سکتا تھا۔ اشتیاق نے یہاں ہو کر کہا۔
بہت کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اشتیاق نے بہت
دور آؤٹ دو میں کہا۔
سڑک پر تو یہ ملتا ہے۔ میں پر جیل آؤٹ دو میں ہوا۔
ان۔ ٹینک ہے۔ سڑک کم دیکھ اتنی بڑی سڑک ہوئی
ہے کہ اس پر بہت کچھ ایک بچہ آئے۔ اشتیاق نے یہ کہتے
ہوئے سامنے دیکھا اور پھر وہ بھی ہو گیا تھا۔ اب تو میں اور
اشتیاق ہیں اور وہ بچے۔ ہڈی سے سامنے دیکھا۔ اب معلوم ہوا
اشتیاق نے ہمدردی میں کیوں چھوڑ دیا تھا۔ ٹینک اس وقت
شہری حدود سے نکل کر جنگل میں داخل ہو چکی تھی اور ہمیں یہ
بات اچھی طرح معلوم تھی کہ ہوشیئر جنگل میں نہیں ہے۔
"ڈاؤ۔ ڈاؤ۔ ڈاؤ۔" آپ کو شاید یاد نہیں رہا۔ ہمیں ہوش

یہ دیکھا تھا۔ میری آواز میں ہوش تھا۔
ابھی طرح یاد ہے جناب۔ میں آپ کو ہوش دینی ہو
یہ ہے یا۔ اہ۔
جی۔ ٹینک ہوش دین پر جنگل میں کب سے بن گیا۔ یہاں
کون سا جنگل میں کھول گئی ہے۔ اشتیاق نے پوچھا۔
شہر کی طرف سے جانے والی سڑک ٹوٹی ہوئی ہے۔
میں تھکا پھرا کر جانا ہو گا۔ ٹینک آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ
سے جی اسی سڑک کے سب سے اون گھاٹ اسی نے کہا۔
"بہت بہت شکریہ۔ اتنے شریف ڈرائیور آج کی فکر تو
میں نہیں۔ اشتیاق نے میری ہر کمر کہا۔
"پانچوں انگلیوں برابر نہیں ہو سکتی۔
"ان۔ ہوش تو نہیں۔ اشتیاق نے آتے کی پانچوں انگلیوں دیکھتے
ہوئے کہا۔
"میں اسی وقت کہ سڑک سے اتر کر ایک کچھ راستے پر
ہوئی۔
"اب شاید ہم ہوش دین پر والی سڑک پر مڑے ہیں۔ اشتیاق
نے ہڈی سے کہا۔
"بالکل ٹینک بکے آپ۔ ڈرائیور ہوش ہو کر ہوا۔
پانچ منٹ تک کچھ راستے پر پہنچے کھانے کے بعد آخر

کسی ایک جگہ گئی، ہم نے دیکھا۔ ہاتھ قدم اٹھائے اور
کے درمیان ایک بہت پرانی عمارت تھی
اُس کے نیکی یہاں کیوں روک لی!
اس لیے کہ ہمیں یہیں آنا تھا۔ ڈرائیور نے بچے اُتارے
بستہ کیا۔

کیا مطلب؟ ہم ایک ساتھ ہرے۔
مطلب یہ۔۔۔ یہ کہتے ہی اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔
پھر اس پر ایک ٹالہ مسکراہٹ رنگ گئی۔ پھر اس کے لب
ہے۔

پھر۔ آگے بڑھو۔ اس نے پستول دائیں ہاتھ سے عمارت کی
طرف اشارہ کیا۔

ہماری ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگیں۔ رنگ فق ہو گئے۔
ایک قدم ہیں۔ آٹھا کے۔

کیا بات ہے۔ چلتے کیوں نہیں؟
لگ۔ کیسے چلیں۔ ٹٹ۔ ٹانگیں۔ اُٹھ ہی نہیں رہیں۔
میں نے کانپتی آواز میں کہا۔

اب میں تمہیں اٹھا کر لے جانے سے تو روکا۔ اُسی نے
برو سامنے بنایا۔

تو پستول جیب میں رکھ لیجئے۔ پھر ہماری ٹانگیں خود بخود

چل رہی تھیں۔ اٹھا لیتے تھے۔ ایک بانی
اچھا۔ کدال ہے۔ اس کے اسی کو کہہ دو۔ پستول جیب میں
رکھ لیا۔ اس کو اچھا کرنا تھا کہ ہوسے قدم اٹھنے لگے۔ یہاں
جس کو دوا دے پڑ پڑا لگا۔ یہاں دو پرسے دار اٹھوں میں
پستول لیے کھڑے تھے۔ نیکی ڈرائیور کو دیکھ انہوں نے
اب سے سلام کیا۔ دو کدہ ہت میں ان کے سلام کا جواب ہم
نے دیا۔

تم دونوں کو کس آؤ کے پٹے نے سلام کیا ہے؟ ایک پھرے
دار نے بتا کر کہا۔

جی۔ آ۔ آ۔ پ۔ نے۔ میں گڑ بڑا گیا۔

کیا اور؟ وہ چیخا اور مجھے مارنے کے لیے بائیں ہاتھ اٹھایا۔

شعر و بھی۔ پٹے ہاس کو ان سے بات کر لیجئے دو۔

کیسے تمہارا ہاتھ کھا کر یہ بے ہوش ہو گیا تو ہاس کے سوالات

کے جواب کون دے گا۔ جب باہر آئیں گے تو تم اپنا حساب

پتلا لینا؟ نیکی ڈرائیور نے شوخ آواز میں کہا اور میں اس کا ہاتھ

کمانے سے ہال ہال بھا۔ لیکن اس خیال نے مرزا دیا کہ باہر

نکلنے پر یہ ہاتھ مہول کرنا پڑے گا۔ لذتے کانپتے ہم اندر داخل

ہوئے۔ دائیں ہاتھ ایک ڈال نما کمر تھا۔ اس میں ایک

ٹالہ لٹری پر لے چڑھے تھے۔ قدامت کا ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اس

کے پرستہ جسم پر سنبھال رہا تھا۔ اس آنکھوں کی ہلکی سی
کھوج نظر آ رہی تھی۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی آدمی اور
موجود نہ تھا۔ اس کے دائیں بائیں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔

بہت دیر تک ٹہری۔ تم انہیں لے آؤ گے؟
انہیں دانا تو دارا بھی شکل ثابت نہیں ہوا پاس: ٹیکسی ڈرائیور
دائیں بائیں کر رہا۔

ٹیکسی ہے۔ اب مجھے ان سے بات کرنے دو۔ تو
میں شوکی براہِ راست۔ یہ تو داخل چرچے نظر آ رہے ہیں، کوئی دم نہ
نہم۔ دائیں کانپ رہی ہیں۔ رنگ اڑے ہوئے ہیں۔ کہیں
کوئی اور لوگ تو نہیں؟

جی نہیں۔ میں دیر تک ان کا تعاقب کرتا رہا ہوں۔ کمالی
نے کہا: یہ بالکل اصلی واسطے شوکی براہِ راست ہیں؟

کیوں بھی۔ کیا تم ہی شوکی براہِ راست ہو؟ پاس نے پوچھا۔
اسی وقت چھادی قدموں کی تھڑا ابھری اور یہ دیکھ کر ہم ٹھٹھک گئے
کہ وہ ہی پوچھ رہے چہرے والا اندر داخل ہو رہا تھا جو لڑکی کے بعد
بھاڑے دفتر میں آیا تھا۔

اسی بات کی تصدیق میں کرتا ہوں پاس، میں وہ لوگ ہیں
جن کے دفتر میں وہ لڑکی داخل ہوئی تھی۔ آپ پوری ٹیکسی سٹاف
کے لیے بے باقی ہوں گے۔ میں بتاتا ہوں۔ رام داس بڑھک سے

کے پرستہ جسم پر سنبھال رہا تھا۔ اس آنکھوں کی ہلکی سی
کھوج نظر آ رہی تھی۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی آدمی اور
موجود نہ تھا۔ اس کے دائیں بائیں کرسیوں پر بیٹھے تھے۔
بہت دیر تک ٹہری۔ تم انہیں لے آؤ گے؟
انہیں دانا تو دارا بھی شکل ثابت نہیں ہوا پاس: ٹیکسی ڈرائیور
دائیں بائیں کر رہا۔
ٹیکسی ہے۔ اب مجھے ان سے بات کرنے دو۔ تو
میں شوکی براہِ راست۔ یہ تو داخل چرچے نظر آ رہے ہیں، کوئی دم نہ
نہم۔ دائیں کانپ رہی ہیں۔ رنگ اڑے ہوئے ہیں۔ کہیں
کوئی اور لوگ تو نہیں؟
جی نہیں۔ میں دیر تک ان کا تعاقب کرتا رہا ہوں۔ کمالی
نے کہا: یہ بالکل اصلی واسطے شوکی براہِ راست ہیں؟
کیوں بھی۔ کیا تم ہی شوکی براہِ راست ہو؟ پاس نے پوچھا۔
اسی وقت چھادی قدموں کی تھڑا ابھری اور یہ دیکھ کر ہم ٹھٹھک گئے
کہ وہ ہی پوچھ رہے چہرے والا اندر داخل ہو رہا تھا جو لڑکی کے بعد
بھاڑے دفتر میں آیا تھا۔
اسی بات کی تصدیق میں کرتا ہوں پاس، میں وہ لوگ ہیں
جن کے دفتر میں وہ لڑکی داخل ہوئی تھی۔ آپ پوری ٹیکسی سٹاف
کے لیے بے باقی ہوں گے۔ میں بتاتا ہوں۔ رام داس بڑھک سے

اسی لوگوں کے دفتر میں داخل ہوئے کیسا۔ اور پھر وہ وہاں سے
بہی جھاگ نکلی۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اسے
پکلی وہ کیونکہ بینک میرے خیال میں وہ ان لوگوں کے حوالے
کر گئی تھی۔ میں بینک ان لوگوں سے حاصل کرنے کے لیے ان
کے دفتر میں داخل ہوا۔ لیکن وہ ان کے دفتر میں کہیں بھی
نظر نہ آئی۔ فوری طور پر یہ خیال گزرا کہ کہیں بینک ٹوک ستر
تو نہیں ملے گئی۔ اس صورت میں اس کا پکلا جانا مناسب
نہیں تھا۔ کیونکہ وہ بھی پورے پورے ہو جاتی۔ لہذا میں دوڑا۔ مگر
اس وقت تک میرے ساتھی اسے کچل چکے تھے۔ میں نے جانا
عادہ کا بغور جائزہ لیا۔ آس پاس کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔
لیکن وہاں کسی بینک کے آثار نظر نہیں آئے۔ لہذا مجھے اپنے
ساتھیوں سمیت پھر ان کے گھر کا رخ کرنا پڑا۔ ہم نے ان
کی واپسی سے پہلے تمام گھر کی تلاشی لی۔ لیکن بینک کہیں نہ ملی،
پھر ہمارے ایک ساتھی نے جو ان کا تعاقب کر رہا تھا، بتایا کہ
یہ لوگ جاوید اکرم کو ایک بینک دکھانے گئے تھے۔ یہ بات اسے
بعد میں معلوم ہوئی۔ جب اس نے جاوید اکرم کے گھر کی تلاشی
لی اور اس سے سوالات کیے۔ چنانچہ وہ پھر ان کی تلاش میں
نکلا۔ لیکن یہ لوگ کہیں نظر نہ آئے۔ چنانچہ اس نے مجھے اطلاع
دی اور ہم ان کے گھر کے آس پاس پھیل گئے۔ اس طرح انہیں

میں نے اسے کامیاب ہونے پر مبارکباد دی۔
اس کے خاموش ہونے پر اس نے کہا
کہ اس تفصیل کے لیے شکریہ پیش کر۔ اب میں تمام حالات سے
آگاہ ہو گیا۔ مصعب نے کہا کہ بینک اسی لوگوں کے پاس ہے۔
جہاں سٹی۔ تم لوگ کیا کہتے ہو؟
بینک ہمارے پاس تھی ضرور۔ لیکن اب نہیں ہے؟
اب وہ کہاں ہے؟ اس نے بھڑکی سے کہا۔
جی۔ لہذا بستر جانتا ہے؟ میں نے فوراً کہا۔
لیکن میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔
پھر یہ ہے۔ کیا بے کار باتیں پوچھ رہے ہیں۔ کوئی کام
کی بات پوچھیے؟ اشتیاق نے سہ بنایا۔
یہ تم لوگ کیا ٹوٹ پٹاگت جواب دے رہے ہو۔ میں
نے پوچھا ہے۔ بینک کہاں ہے؟
پہلے یہ بتائیں۔ وہ بینک جے کیا بلا؟ میں نے بھڑکی سے
کہا۔
بس ایک بینک ہی ہے۔ بتاؤ۔ کہاں ہے وہ؟
سوری۔ جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ اس بینک
کی آخر کیا اہمیت ہے۔ اس وقت تک ہم بھی نہیں بتائیں
گے کہ بینک کہاں ہے؟

پٹو۔ پھلے تو ان کی کاشی کو۔ اس کے بعد ان کی نظریں شروع کر دو۔ ہاس نے قرآ کر چوڑے چہرے والے سے کہا۔
"ساتھ یکجہی گا جناب۔ کیا آپ دیکھنے روٹی کو دیکھنا
والا ہیں۔ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔
"بکومت۔ درد کھال گرا دی جائے گی۔ اس نے غصہ کی
آواز میں کہا۔

ہم سم گئے۔ ہم ہی کیا۔ کمرے میں موجود سب لوگ
سم گئے۔ پٹو، ممالی اور دو اور آدمیوں نے جلدی جلدی ہوا
کاشی شروع کی۔ پٹو نے جو میری ٹانگوں پر ہاتھ پھیرا اُسے تو
اس کا ایک ہاتھ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے نکلا
"ارے۔ یہ کیا۔"

"پھوپھو۔ پھوڑا۔"
"اتنا سخت پھوڑا۔ ذرا شہوار اوپر کر کے دکھاؤ۔ اس
نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی کیا کرو گے دیکھ کر۔ بس پھوڑا ہے۔ بعض پھوڑے
سخت ہی سخت ہو جاتے ہیں۔" میں نے پریشان ہو کر کہا۔
"میں کتا ہوں۔ شہوار اٹھاؤ۔"

"نہ۔ جی ہنر۔ میں نے گھبرا کر کہا اور دائیں ٹانگ پر سے
شہوار اٹھا دی۔ گھٹنے سے اوپر وہ مال کے قریب تک بندھی

ہوا تھی اور یہ کام میں نے بڑھیا کے گھر میں کیا تھا۔
"وہ مارا۔ یہ رہی ٹیک۔" پٹو نے خوش ہو کر کہا۔
"ویری گڈ۔ آخر ہم کا میاں ہو ہی گئے۔ اب ہم اپنے
منہ میں ضرور کا میاں ہوں گے۔ ہمیں کوئی نہیں روک سکے
گا۔ ہاس نے بلند آواز میں کہا۔

"ٹک۔ کیا مطلب؟" میں نے پوچھا کر کہا۔
"اب تم عقل کے اندھوں کو مطلب کون سمجھائے۔ جاؤ۔
جاگ جاؤ یہاں سے۔ تم آزاد ہو۔"
"جی۔ کیا فرمایا۔ ہم آزاد ہیں۔"
"ہاں۔ اور کیا ہمیں تمہارا اپنا ڈالنا ہے؟" ہاس بولا۔ اس

وقت تک پٹو ٹیک اپنے قبضے میں لے چکا تھا۔
"لیکن ہاس۔ ان کے آزاد کرنے کی صورت میں ہمیں فوری
طور پر اس ٹکے سے کو چھوڑنا ہوگا۔ دوسری صورت میں ہم
لیکن سے یہاں ٹھہر سکتے ہیں۔"

"ہوں۔ یہ جی ٹیک ہے۔ اچھا تو انہیں جنگل میں لے جا
کر دفن کر دو۔ بڑے بڑے گڑھے وہاں پھلے ہی موجود ہیں۔"
"میں اسی وقت کمرے میں توں توں کی گواہ گو نہنے لگی۔
اس نے چونک کر دائیں اٹھ والی دیوار میں نصب الماری کی
طرف دیکھا۔ پھر اٹھ کر اس کے پٹ کمرے اور ایک ٹھن

کہاتے ہوئے بولا،
”آپ کا خادم گرام سر اس کی آواز میں کپکپی تھی۔
”کیا رانا؟“

”ہم بینک مائل کر چکے ہیں۔“ باس نے کہا۔ ”مجھے بہت دور
میں بینک کے بارے میں اطلاع دی گئی۔ اس بات کا گورنر
کا۔“

”حالات ہی ایسے تھے، خود میں یہ بات دیر سے معلوم ہوئی
کہ وہ چیز دراصل ایک بینک ہے۔ بہر حال یہ تم نے ایک کاغذ
انجام دیا ہے۔ بینک فوری طور پر توڑ پھوٹ ڈالو۔“
”جی۔ کیا فرمایا۔ توڑ پھوٹ ڈالیں۔“ باس نے حیرت بھری آواز
میں کہا۔

”اں میں نے یہی کہا ہے۔ بینک کو توڑ دو۔ اسے
ریزہ ریزہ کر دو۔“

”بہت بہتر سر۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی ٹمک کی آواز آئی۔ باس نے بھی
ٹمن دیا اور اندری بند کر کے ان کی طرف بڑھا۔ چہرے پر جلا کی
حیرت طاری تھی۔ آخر پٹو سے بولا:

”پنٹر۔ تم نے سنا، باس نے کیا حکم دیا ہے۔ بینک کو توڑ دو۔
جس بینک کے لیے اتنا ہنگامہ ہوا۔ اتنی مار کٹائی ہوئی۔ اب

اسے توڑا جانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ خیر۔ ہم کر رہے ہیں۔
”جی۔ بہتر۔“ پٹو نے کہا اور بینک کو فرش پر پھینک کر
چاہتا تھا اپنے پیروں سے کھیل دے۔ کہ میں اسی وقت ایک
خانہ ہوا۔ سب لوگ اچھل پڑے۔ دروازے کی طرف دیکھا، تو
جلالی فوراً اس کے چار ماتحت تھے کھڑے تھے۔
”خبردار۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ ورنہ چھپنی کر دیے
جاؤ گے۔“ باری خان۔ آگے بڑھ کر بینک اٹھا لو۔
”او کے سر۔ ایک کانٹیل نے کہا اور آگے بڑھ کر فرش
سے بینک اٹھالی۔

”یہ مجھے دے دو۔“ جلالی نور نے مسکرا کر کہا۔ اس نے بینک
اس کے بائیں ہاتھ میں تھام لی۔ جلالی نور نے ان سب پر نظریں
دھرائیں۔ ہرے بینک اپنی جیب میں رکھ لی۔

”اب ان سب کی تلاش لو۔“ اس نے اپنے ماتحتوں کو حکم
دیا۔ وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ باس کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ اس
کے میز پر گلا ایک ٹمن دیا۔ اچانک کمرے میں گپ اندھیر
ہو گیا۔ عمارت پہلے ہی گھٹنے درختوں کے درمیان تھی۔ ال
عمارت کے عین درمیان میں تھا۔ اس لیے باہر کی روشنی اندر نہیں
آ رہی تھی۔

تھا تب جدی لگا۔ پھر تم سب انپکڑ کا شان سے بے لطف
سے نکل کر اسی نیکی میں بیٹھے۔ نیکی نے جب جنگل کا رخ کیا
تو میرے نائب نے دائر نیس پر مجھے اطلاع دی اور میں بھی
اس سے آگے۔ اسی طرح ہم اس عمارت تک پہنچے۔ لیکن
تو تھاؤ۔ یہ ایک کا پھر کیا ہے؟ یہاں تک کہ وہ خاموش
ہو گیا۔

لیکن کہانی ہے۔ جیپ میں ابھی طرح نہیں ٹھیک لگے۔
کسی پر سکون جگہ بیٹھ کر بیٹھے گاؤں میں نے جواب دیا۔
'خیر یا نہیں سہی۔ لیکن حیرت تو مجھے اس بات پر ہے کہ
باس کو چنگ توڑ دینے کا حکم ملتا تھا۔'
'جی ہاں۔ اس بات پر تو حیرت ہمیں بھی ہونی چاہی۔'
'اگر اس وقت میں نہ پہنچ جاتا تو تم لوگ کہاں ہوتے۔'
جھولی نور نے طنز بھری آواز میں کہا۔

'وہیں ہوتے جہاں خدا کو منظور ہوتا؟' اشفاق نے مسکری
صورت بنائی۔

'غوب۔ گھڑے گھڑائے جواب تو کوئی تم سے نہیں۔ بڑے
آئے تھے مجھ سے شکریہ وصول کرنے۔ اب میرا شکریہ ادا نہیں
کر دے۔ تم چاروں کی زندگیاں بچائی ہیں۔ اس کے لیے میں
گھڑا ہوں تھا۔'

شش۔ شش شکریہ؟ میں بھکیا۔ اس وقت بیات کی
کہ رکتی نظر آئی۔ جھولی نور کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار
ہوئے۔ لیکن اس نے 'تقدیر کم نہ کی۔' اچانک ایک تعداد
دھماکا ہوا۔

وہ آگئے

وہ دو تہائی ہفتے کے پہلے میں آتا اس سس منور ہو گیا تھا
 کہ جب وہ سستی ہم دہا گیا تھا۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ
 اگلے کار کے الٹا ایک پر ایک آگئے تھے۔ جہاں نور ہوش میں آگئے ہی
 رہتا ہوا کہ۔ اور صحت پر پہنچ گیا۔ ہوش میں آئے تو
 پہلے تو پھرئی مڑک کے چپکے پڑی تھی اور ہم ادھر ادھر کھڑے
 ہوئے تھے۔ ہر ایک کے صدمے گئی گئی جگہوں سے طوفان سس رہا
 تھا۔ ہم غورنگ پوٹ گئی کہیں آلی تھی۔

اگلے۔ نور۔ چنگ تو آپ کی جیب میں ہے نا۔

اں۔ تم فکر نہ کرو۔ ہوا چنگ۔

اور اس کے الفاظ میں ہی وہ گئے۔ وہ گئے کا کتہہ وہ
 گیا۔ پھر سے پڑ ہوا تھا ان کے گیس

کیا ہوا اگلے نور۔ میں نے ہاتھ کر کہا۔

وہ۔ وہ چنگ۔ میری جیب میں نہیں ہے۔

اے۔ یہ تو بہت بڑا ہوا اگر انہوں نے ہم اس پہلے ہاتھ کر
 میں ہے ہوش کر کے چنگ حاصل کر میں۔ اشتیاق ہوا۔

اں۔ اس کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے۔ جہاں نور کے صدمے
 کے الفاظ میں کہا۔
 ہم سب چپکے چپکے انداز میں ہاتھ۔ جیب اب چپکے کے
 ہوش میں رہ گئی تھی۔
 ہاں نہیں۔ جہاں نور صاحب۔ میرا ایک مشورہ ہے۔ میں نے
 پھر چناؤ۔ کیا مشورہ ہے۔
 ہم شہر سے بہت دور ہیں اور اس عمارت سے بہت
 دور ایک۔ کیوں نہ اس عمارت کو ایک نظر دیکھ آئیں۔ کیا خبر
 اس دور اس کے ساتھی اب پھر وہیں موجود ہوں۔
 تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ وہ بھلا اب وہاں کیوں
 ہوئے گئے۔

لیکن دیکھ پلٹنے میں کیا حرج ہے۔ یوں ہی یہاں ٹیکسی

دیکھو تو سڑکی نہیں۔ کیوں نہ آپ وہ کاشیوں کو کوئی ٹیکسی

دیکھو پلٹنے کے لیے نیچا دیں۔ اور ہم عمارت تک پہنچیں۔

نیر۔ میرا خیال ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آخر

اس نے ہتھیار ڈالے ہوئے کہا۔ پھر وہ کاشیوں کو چارہ است

دیں۔ وہ شہر کی طرف تیز قدم اٹھائے گئے۔ ہم شہر سے ہی

تھے کہ ان اب ٹھنک کر رک گیا۔ سڑک کے کنارے ایک جگہ

اس کی نظریں جم کر رہ گئیں۔
اسی نظر آئی: اخلاق نے جھٹکا کر کہا۔
"مردم چنگ۔"

"مردم چنگ۔ کیا مطلب۔"
"دیکھو۔ چنگ کو اس جگہ سڑک پر رکھ کر پیروں
سے پکڑ لیا ہے۔ نیچے تو گویا پس ہی گئے ہیں، فریم کا بھی نئے
نئے ٹکڑے اڑی رہا ہے اس نے کہا۔
"گویا۔ اب ہم اس سے کم از کم چنگ کا کام نہیں لے
سکتے۔ میں صرف لود لے رہا ہوں۔"

چنگ کے پاس سے میں سوچتے ہوئے ہم اس عمارت تک پہنچے،
وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہر کمرہ جہاں جہاں گھر رہا تھا۔ دیکھ کر
ہلالی نور ہٹا آیا۔

"دیکھا۔ میں نے کہا تھا۔ اب یہاں کوئی نہیں ہو
سکتا۔"

"لیکن جناب کچھ دیر پہلے تو تھے ہی۔ اور ان کی انگلیوں کے
نشانات بھی یہاں ضرور ہوں گے، کیا آپ ان کی انگلیوں کے
نشانات اشدانا پسند نہیں کریں گے۔ کیا خبر ان میں سے کسی
کا ریکارڈ آپ کو مل جائے۔ اس طرح آپ آسانی سے ان کا سراغ
لا سکیں گے۔"

بچے جاسوسی نہ پڑھاؤ۔ اس نے غرا کر کہا۔
"جی ہسترا۔ میں سہم گیا۔"

لٹا لٹا کر کے دو ٹیکسیاں آئیں اور ہم واپس مڑے۔ ہلالی
نور ہمارے ساتھ ہی بیٹھا تھا، اپنا کنگ فرم کو آواز میں بولا،
"چنگ ہے۔ میں شہر پہنچتے ہی نشانات کے ماہرین کو اس
"عمارت میں بھیج دوں گا اور پھر اس طرح ملنے والے
نشانات کو دیکھاؤں گے چنگ کراؤں گا؟"

"جو چیز سامنے آئے۔ وہ ہمیں بھی بتا دیجیے گا۔ میں نے
جہاں سے کہا۔

ایک شرط پڑ۔

"اور وہ شرط کیا ہے؟ اخلاق نے حیران ہو کر کہا۔

"چاکر تم مجھے چنگ کی کہانی سنا دو۔"

"وہ تو ہم پہلے ہی کہ چکے ہیں۔ کسی پراسکون جگہ بیٹھ کر
تائیں گے۔"

"تو پھر اسی وقت میرے ساتھ پولیس اسٹیشن پہنچے پلو؟ اس
نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہلا پولیس اسٹیشن بھی کوئی
پراسکون جگہ ہو سکتی ہے اور وہ بھی آپ کا پولیس اسٹیشن۔ آفتاب
نے گھبرا کر کہا۔"

کیا مطلب؟ بھلا نور نے اسے کہا جانے والی نظروں سے گھبرا کر۔

جی۔۔۔ مطلب۔۔۔ بس مطلب تو کچھ بھی نہیں۔ بھلا آپ کے پولیس اسٹیشن سے بڑھ کر پراسکون جگہ بھی کوئی ہو سکتی ہے۔ وہیں پتے پتے ہیں۔ آفتاب بوکھلا آٹھا اور بھلا لی نور مکرانے لگا۔ جو بھی ہم شہری مدد میں داخل ہوئے۔ چند پولیس آفیسر نے ٹیکسیوں کو روکنے کا اشارہ کیا۔ ٹیکسیاں ٹوک گئیں اور وہ نزدیک آگئے۔ پھر بھلا نور پر نظر پڑتے ہی نور نے کہا: "اوہو۔۔۔ یہ تو آپ ہیں۔ مسافت کیجیے گا۔ آپ کو زحمت دی۔"

کیا معاملہ ہے۔ کہے تلاش کیا جا رہا ہے۔ بھلا نور نے حیران ہو کر کہا۔
"شہر کی برادری کو۔ آپ تو انہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔"
"کیا کہا۔ شوکی برادری کو۔ بھلا نور کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ اور ہم گھبرا گئے۔"

"جی ہاں۔ اس وقت مارے شہر میں انہیں تلاش کیا جا رہا ہے۔ ہاں کیجیے۔ پورے شہر میں کھیل سی لگی ہوئی ہے اور وہ ہیں کہ کہیں مل ہی نہیں رہے۔ ان کا پتا ہی نہیں چل رہا؟"
"کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ بھلا نور نے ہنس کر کہا۔"

"آپ۔ آپ۔ آپ ہنس کیوں رہے ہیں۔ اسے یہ ٹیکسی کے لیے چاہیے آپ کے ساتھ کون لوگ ہیں؟"
"شہر کی برادری۔"
"کیا؟ وہ پتلا آٹھا۔"
"جی ہاں۔ یہی ہیں۔"

"تو کیا؟ آپ کے ساتھ تھے؟"
"نہیں۔ میں تو انہیں ایک جگہ سے پکڑ کر لایا ہوں۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ پتے پر نہ ہیں، دوسروں کو پکارتے چرتے ہیں۔ لیکن اب شاید ان کے پکڑنے کا وقت آگیا ہے۔ معاملہ کیا ہے۔"

"ابن کیوں تلاش کیا جا رہا ہے؟"
"کسی کو وجہ معلوم نہیں۔ بس اوپر سے احکامات ملے ہیں کہ یہ لوگ جہاں اور جس حال میں ملیں۔ انہیں فوری صاحب کے پاس پہنچا دیا جائے۔"
"آپ کا مطلب ہے۔ وزیر داخلہ صاحب کے پاس؟"
"جی ہاں۔ اس کے کہا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ میں انہیں سیدھا وہیں لے جاتا ہوں۔"
"بہت بہت شکریہ۔ اس نے مطمئن ہو کر کہا۔"
"معلوم ہوتا ہے۔ اس مرتبہ بڑے پختے ہوئے بھلا نور کے لیے میں گھبراؤ نہ تھا۔"

ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے تھر تھر کاچتی گواہی دے دی کہ
جے اچھی طرح یاد تھا کہ غفاری صاحب کا نام ہم نے پروفیسر صاحب
کے منہ سے سنا تھا۔ انہوں نے فون پر ان سے بات کی تھی
معاذ حد درجے پریمید ہوتا جا رہا تھا۔



وزیر داخلہ غفاری صاحب کی کوششی ہم نے پہلے کبھی
نہیں دیکھی تھی۔ بھلائی نور نے جب ٹیکسی اس کے سامنے
دکوانی تو ہم حیران رہ گئے۔ کوششی بہت طویل و عریض تھی
اور اس کے گرد چادری لاری تھی۔ وہ وائسے پر مسلح پیر
کمرے تھے اور اندر روش پر بے شمار پولیس والے موجود تھے۔
وہ سب کے سب لمبی طرحا بے چین نظر آ رہے تھے۔
بھلائی نور آگے بڑھا تو ایک پہرے دار نے اس کی وردی پر
نظریں جماتے ہوئے کہا:

فرمائیے جناب۔ کیا بات ہے؟

میں شوکی برادران کو لے آیا ہوں۔ غفاری صاحب
نے ان کی گرفتاری کا حکم دے رکھا ہے نا۔ بھلائی نور جلدی
سے بولا۔

اور تو یہ ہیں شوکی برادران۔ آئیے میرے ساتھ پہرے دار
نے کہا اور انہیں اندر لے چلا۔ پولیس والوں کے درمیان سے
رات بناتے ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔
آخر یہاں اتنے پولیس والے کیوں جمع ہیں؟

سب کے سب شوکی برادران کی تلاش کے لیے
میں جمع ہیں۔ تاکہ جب بھی کہیں بیٹنا پڑے۔ فوراً روانہ کر
دیے جائیں۔

اور جو۔ آخر ان لوگوں نے ایسا کیا مجسم کر ڈالا
ہے۔

یہ تو غفاری صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔

یا اللہ رحمہ! میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ہمارے دل دھکڑ
دھکڑ کر رہے تھے۔

آخر پہرے دار ہمیں ایک بہت بڑے کمرے میں
لے کر داخل ہوا۔ اس کمرے میں ایک بہت موٹا
تقالین بچھا تھا۔ آبنوس کی بنی ایک بڑی میز کمرے
کے عین درمیان میں رکھی تھی۔ اس کی دوسری طرف
کرسی پر غفاری صاحب بیٹھے تھے۔ ہم ان کی تصاویر اکثر
اخبارات میں دیکھ چکے تھے، اس لیے فوراً پہچان لیا۔
کچھ دوسرے آفیسر بھی کرسیوں پر براجمان تھے۔ ہمیں یہ

دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ ایک کرسی پر سب الگ الگ
کاشان بھی بیٹھے تھے۔ ان کا رنگ بدی کی طس سے نڈر
تھا۔ ہم کمرے میں داخل ہوئے تو وزیر داخلہ کو روک
تھے۔

”نظر وہ لوگ کہاں غائب ہو گئے۔ انہیں زمین کھا گئی۔
یا آسمان نکل گیا۔“

ان کے الفاظ درمیان میں رو گئے۔ اسی وقت ان کی
نظر ہم پر پڑی تھی۔ ان کے چہرے پر حیرت کے بادل چمکے
ان کے ساتھ دوسروں نے بھی ہماری طرف دیکھا۔ فوراً ہی
کاشان کے منہ سے نکلا:

”یہی سب وہ آگئے۔“

”ات ندا۔“ یہ ہیں شوکی ہلاوت۔ ان لوگوں کی وجہ سے
میں کتنا پریشان رہا۔ میرا بس پتہ تو میں انہیں کتنا ہی چہا
جاؤں۔ خیر۔ بعد میں دیکھا جائے گا کہ ان کے ساتھ کیا
سوک کیا جائے۔ پہلے تو ہمیں اسل معاہدے کی طرف آنا
چاہیے۔ یہ کہہ کر وہ پل بھر کے لیے رکے۔ اس دوران ہماری
ٹانگوں میں سے جان نکل چکی تھی۔ کیونکہ غفاری صاحب کے
الفاظ مدد دہے خوفناک تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کہہ سکتے۔
ہم چاروں دھڑام سے گرے اور نیم بے ہوش ہو گئے۔

”اے۔۔۔ انہیں کیا ہوا؟ ہم نے غفاری کی برکتوں سے
توڑا۔ شکی۔“

آخری کام

شش۔ شاید بے ہوش ہو گئے۔ سب انپکڑ کا شان کی
تواڑ ہمارے کانوں سے ٹکرائی۔ پھر ہمیں تپتپایا گیا، آخر ہم نے
آنکھیں کھول دیں۔
”اچھا جن۔ تم ڈوبے نہیں۔ تمہیں کچھ نہیں کسا جائے گا۔ میرا
مطلب ہے کچھ کھا دیا جائے گا۔ اب تم بدلی سے
بتاؤ۔ بیگ کہاں ہے؟“ غفاری صاحب کی نرم گرم گواہ دہائی
دی۔

”بی۔ بیگ۔“ ہمارے منہ سے ایک ساتھ نکلے۔

”اں۔ بیگ۔“ یہ اتفاق طور پر تمہارے اٹھ اٹھ گئی تھی۔

”بی۔ اتفاق طور پر تو نہیں۔ وہ لڑکی جان بوجھ کر اسے

ہمارے پاس لائی تھی اور میری جیب میں ڈال کر جاگ نکل گئی تھی
اُس نے یہ بھی کساتھا کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ لڑکی ایڈہ کو
لا دیتی ہے۔“

یہ میر۔ لڑکی نے جان بوجھ کر بیگ تمہارے حواس کی
تھی۔ سوال یہ ہے کہ اب بیگ کہاں ہے؟“ غفاری صاحب نے
پوچھا۔

بیگ۔ بیگ کے بارے میں تو اب انسپکٹر بدلی نور سی
کہتا ہے۔ میں نے پریشان ہو کر کہا۔

”میں۔ میں۔ میں کیا بتاؤں۔ یہ سب کیا دھڑا تو تھارا ہے۔“

آخر اس بیگ کو لیے لیے پھرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بدلی
نور نے غصے میں آ کر کہا۔ چہرے پر حیرت برس رہی تھی۔

”جن عادت میں بیگ ہمارے اٹھ اٹھ گئی تھی۔ ہم اسے ساتھ
ساتھ ہی لے کر پھر کھتے تھے۔“

”تفصیل سے بتاؤ۔“ صاحب نے کہا۔ غفاری صاحب نے الجھ کر
کہا۔

”ہات دراصل یہ ہے۔ صاحب کہ ہم اپنے دفتر میں موجود

تھے۔ اچانک وہ لڑکی دوڑتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ پھر

ہمان آداب سے ٹکرائی۔ میں اُسی وقت ایک کار ہمارے

دور دراز سے پہنچ کر لڑکی اسے دیکھ کر لڑکی ہنسی کر جاگ اٹھی

کار میں سے اس وقت تک ایک آدمی اُتر چکا تھا۔ کار اس

لڑکی کے تعاقب میں نکل گئی۔ وہ آدمی ہمارے دفتر میں آ

گیا اور مجھ پر مجھ کر بیگ کہاں ہے۔ اس نے دفتر کی خوشی

اور پھر باہر نکل گیا۔ آفتاب نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو اسے
جیب میں بیٹک محسوس ہوئی۔ اس طرح وہ بیٹک ہمارے
ہاتھ لگی۔ عادت پڑا اسرار تھے۔ اسی وقت سب انکسپیکٹر کاٹھان
کا فون ہمیں موصول ہوا اور ہمیں ان کی خواہش پر رام داس
بڈنگ جانا پڑا۔ وہاں تین آدمی قتل ہوئے پڑے تھے۔ اس
عادت کے پچھلے حصے میں ایک سڑک ہے۔ اس سڑک کا معائنہ
کرنے پر ہمیں گاؤں کا ایک کاٹھان ملا۔ آخر ہم واپس رواد
ہوئے۔ ہمارے دفتر والی سڑک پر ہی اس سڑکی کو کھل دیا
گیا تھا۔ ہم نے بھلائی نوہ صاحب سے سوال کیا کہ عادتے میں
مرنے والی لڑکی کے کان میں کوئی کاٹھان تو نہیں۔ انہوں نے
بتایا کہ ایک کاٹھان ہے، وہ سرائی ہے۔ لہذا ہم سمجھ گئے کہ
لڑکی وہی ہے۔ رام داس بڈنگ کے پیچھے والی سڑک پر
ہم سڑکی کی ماں سے بھی مل آئے تھے، اس لیے بھلائی نوہ صاحب
کو اس بڑھیا کا پتا بھی بتا دیا۔ اب چمک بیٹک ہمارے لیے
متناہی ہوئی تھی اور عجیب بات یہ بھی تھی کہ اس میں سے ہر
ہیز ہیکل سونے کی بنی ہوئی نظر آتی تھی، اس لیے ہم اس کے
بارے میں جاننے کی کوشش میں نکل کھڑے ہوئے۔ سب سے
پہلے ہم جاوید اکرم صاحب سے ملے، یہ میٹروں کے باہر ہیں۔
انہیں بیٹک میں کوئی خاص بات محسوس نہ ہوئی تو ہم نے پروفیسر

مٹانی سے ملنے کا فیصلہ کیا۔
یہی کہا۔ پروفیسر مٹانی سے۔ "خفاری صاحب کی آنکھیں مارے
بیت کے ابل پڑیں۔
جی ہاں۔ کیونکہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ یہ
بیٹک کیسے کوئی نئی ایجاد نہ ہو۔ آخر بہت مشکل سے ہم پروفیسر
مٹانی تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔"
کیا۔ تم لوگ ان بیٹک پہنچ گئے تھے۔ اس مرتبہ خفاری صاحب
کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

جی ہاں۔ ہم ان سے کلمات کرنے میں کامیاب ہو
گئے تھے، لیکن افسوس۔ انہیں اپنا بیٹک کچھ کام آ پڑا۔ اور وہ
بیٹک دم کمرے سے نکل گئے۔ اور ہم سے کہہ دیا کہ پھر کسی
وقت مل لیں۔

"اُٹ خدا۔ یہ کیا ہوا۔" خفاری صاحب بوکھلا کر بولے
جی کیا مطلب۔ میں نے حیران ہو کر کہا۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جلدی جلدی کسی کے گھر
داخل کرنے لگے۔ پھر بولے:

ہیو پروفیسر صاحب۔ میں خفاری بول رہا ہوں۔ میں نے
سنا ہے۔ شوکی بڑا وہی آپ سے کلمات کرنے کے لیے آئے تھے۔
یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگے۔ پھر بولے:

”اگر یہ درست ہے تو پھر یہ بھی سس پیسے۔ کروڑ دراصل آپ کو وہ بینک ہی دکھانے آئے تھے۔ یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔ پروفیسر صاحب کا جواب سن کر انہوں نے پیریوڈک دیا اور جاری طرف مڑے۔“

”جلدی سے اپنی کہانی قلم کرو۔“ اب اس کہانی میں کیا رہ گیا ہے جناب عالی۔ وہاں سے ہم پروفیسر صاحب شان بک پہنچے۔ انہوں نے بینک کا معائنہ ضرور کیا، لیکن اس میں کوئی عجیب بات نہ پائے۔ البتہ اس کی عجیب خاصیت کی بنا پر اسے خریدنے پر ضرور تیار ہو گئے۔

لیکن جہاں ہم وہ بینک کس طرح فروخت کر سکتے تھے۔ چنانچہ انکار کر دیا۔ انہوں نے زبردستی بینک حاصل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ہم نکل آئے۔ پھر سب ایکڑ کا شان صاحب سے ملے۔

تاکہ ان مقتولین کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ ہوٹل برین بو میں کھانا کھاتے تھے۔ لہذا ہم نے اس جگہ بھی چھان بین کرنا مناسب خیال کیا۔

علامہ کے لیے رواد ہوئے، لیکن میں ٹیکسی میں بیٹھے۔ اس کا فائدہ مجرموں کا ساتھی تھا۔ وہ ہمیں جگہ میں ایک عمارت میں لے گیا۔ وہاں ہاں نام کا ایک گومی آٹھ دس فنڈل کے ساتھ موجود تھا۔ انہوں نے بینک ہم سے حاصل کر لی، اور ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

”اگر یہ درست ہے تو پھر یہ بھی سس پیسے۔ کروڑ دراصل آپ کو وہ بینک ہی دکھانے آئے تھے۔ یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔ پروفیسر صاحب کا جواب سن کر انہوں نے پیریوڈک دیا اور جاری طرف مڑے۔“

”جلدی سے اپنی کہانی قلم کرو۔“ اب اس کہانی میں کیا رہ گیا ہے جناب عالی۔ وہاں سے ہم پروفیسر صاحب شان بک پہنچے۔ انہوں نے بینک کا معائنہ ضرور کیا، لیکن اس میں کوئی عجیب بات نہ پائے۔ البتہ اس کی عجیب خاصیت کی بنا پر اسے خریدنے پر ضرور تیار ہو گئے۔

لیکن جہاں ہم وہ بینک کس طرح فروخت کر سکتے تھے۔ چنانچہ انکار کر دیا۔ انہوں نے زبردستی بینک حاصل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ہم نکل آئے۔ پھر سب ایکڑ کا شان صاحب سے ملے۔

تاکہ ان مقتولین کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ ہوٹل برین بو میں کھانا کھاتے تھے۔ لہذا ہم نے اس جگہ بھی چھان بین کرنا مناسب خیال کیا۔

علامہ کے لیے رواد ہوئے، لیکن میں ٹیکسی میں بیٹھے۔ اس کا فائدہ مجرموں کا ساتھی تھا۔ وہ ہمیں جگہ میں ایک عمارت میں لے گیا۔ وہاں ہاں نام کا ایک گومی آٹھ دس فنڈل کے ساتھ موجود تھا۔ انہوں نے بینک ہم سے حاصل کر لی، اور ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

”اگر یہ درست ہے تو پھر یہ بھی سس پیسے۔ کروڑ دراصل آپ کو وہ بینک ہی دکھانے آئے تھے۔ یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔ پروفیسر صاحب کا جواب سن کر انہوں نے پیریوڈک دیا اور جاری طرف مڑے۔“

”جلدی سے اپنی کہانی قلم کرو۔“ اب اس کہانی میں کیا رہ گیا ہے جناب عالی۔ وہاں سے ہم پروفیسر صاحب شان بک پہنچے۔ انہوں نے بینک کا معائنہ ضرور کیا، لیکن اس میں کوئی عجیب بات نہ پائے۔ البتہ اس کی عجیب خاصیت کی بنا پر اسے خریدنے پر ضرور تیار ہو گئے۔

لیکن جہاں ہم وہ بینک کس طرح فروخت کر سکتے تھے۔ چنانچہ انکار کر دیا۔ انہوں نے زبردستی بینک حاصل کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ہم نکل آئے۔ پھر سب ایکڑ کا شان صاحب سے ملے۔

تاکہ ان مقتولین کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔ ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ ہوٹل برین بو میں کھانا کھاتے تھے۔ لہذا ہم نے اس جگہ بھی چھان بین کرنا مناسب خیال کیا۔

144

اس سوال کا جواب سب ایجنٹز کا شان وں کے اعلیٰ صاحب ہوئے۔

صاحب نے بے تم وگوں نے مجھے ہوائی ڈاک سے آنے والی چیزوں کی فہرست حاصل کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے آج اور کل کی فہرست حاصل کر لی۔ ان چیزوں میں اور تو کوئی عجیب چیز نہیں تھی۔ اس کے علاوہ صاحب کے لیے ایک ایک مندرجہ ذیل بھی گئی تھی۔ تم لوگ بھی ایک ایک کی کافی سنا چکے تھے۔ مجھے بہت حیرت ہوئی۔ تم لوگ غائب تھے۔ لہذا میں نے انہیں فون کیا۔ ایک کا درخت سننے ہی انہوں نے مجھے یہاں طلب کر لیا اور ایک کے بارے میں کہہ کر یہ کہہ کر معلوم کرنے لگے۔ چنانچہ میں نے انہیں بتایا کہ یہ جہان میں کرنے کے لیے مجھے تم وگوں کے مجبور کیا تھا۔ تصدیق کے لیے ہم نے تمہارے گھر فون کیا اور مشتاق احمد صاحب نے یہ بات تسلیم کی کہ تیس ایک عدد ایک عجیب حالات میں ملی ہے۔ بس اُسی وقت تمہاری تلاش شروع کر دی گئی۔

ریساں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیک ہوائی ڈاک سے
آپ کو بھی گنتی تھی۔ وہ آپ تک کیوں نہیں پہنچی اور رام
واسس جڈنگ میں کس طرح پہنچ گئی۔ میں نے باوقار انداز میں
کہا۔

کتاب کا نام۔ ایک نام دے اس بلاگ میں سنی و کاشانی کے

[illegible]

۱۵۴
ہر گھم اور اس طرح وہ جھاگتی ہوئی ہمارے دفتر تک پہنچ گئی۔
لیکن یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میک یہاں تک
کیوں نہیں پہنچی۔ آپ کی ڈاکہ کون وصول کرتا ہے؟
"خاکوانی۔" خفاری صاحب بولے۔

"فردا انہیں بلوائیے۔" میں بے چین ہو کر بولا۔
"اچھا۔" یہ کہہ کر انہوں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا، وہ اٹھ
کر چلا گیا۔ اور پھر واپس آکر بولا۔
"خاکوانی اپنی سیٹ پر نہیں ہے جناب۔"
"کیا مطلب۔" وہ کہاں جا سکتا ہے؟ انہوں نے پیراں
ہو کر کہا۔
"جی پتا نہیں۔"

"تو پھر پتا کرو۔" اسے ادھر ادھر تلاش کرو۔ فردا اس
کا پتا لگاؤ۔" وہ بول کھلا اٹھے۔ ہم بھی چونک اٹھے۔ تھوڑی
دیر بعد اطلاع ملی کہ خاکوانی کا خفاری ڈاکس میں کیس نام و نشان
بھی نہیں ہے۔
"بیس فوری طور پر ان کے گھر دیکھنا پڑیے۔" میں نے گہرا
کہا۔

"ہاں۔" یہ ٹیک ہے۔ خفاری صاحب بولے۔
"آن کی آن میں ایک کاہن کا قافلہ خاکوانی کے گھر کی

۱۵۵
اور اس تیزی سے کہ گول ڈاکہ
خاکوانی کی کمرشل کمپنی تھی۔ دروازے پر دستک دی گئی۔
"جی ہاں۔" تمہارے ابو گھر میں ہیں۔
"جی ہاں۔" اپنے کمرے میں ہیں۔ آئیے میں آپ کو لے
پہوں۔

"وہ سب اس کے پیچھے چلتے خاکوانی کے کمرے میں داخل
ہوتے۔ خاکوانی ایک صوفے میں بہت بنا بیٹھا تھا۔ اتنے بہت
سے آدمیوں کو دیکھ کر بھی اس کے جسم میں حرکت نہیں ہوئی۔
"یہ۔" انہیں کھوٹے گھوٹے۔ سو تو نہیں گئے؟ آفتاب کی
گجراتی جوئی آواز کانوں سے ٹکرائی، کوئی اور موقع ہوتا تو ہم اس
کے بجائے ہر شور مچاتے۔ لیکن اس وقت تو ہم سب موت کی حد
تک بنیدہ تھے۔ اچانک خاکوانی کے لب بٹے۔
"مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ آپ لوگ یہاں ضرور آئیں گے۔"

ہاس نے مجھے بتا دیا تھا کہ یہ میرا آخری کام ہو گا اور اس آخری
کام کے بعد میں قانون کی گرفت میں آئے بغیر نہیں رہ سکوں گا،
لہذا ہاس نے قانون کی گرفت سے محفوظ رہنے کے لیے ایک کیپول
دیا تھا۔ میں نہیں جانتا۔ اس کیپول میں کیا ہے۔ زہر یا کوئی

اور چیز۔ بہر حال ان کا حکم ہے ہے کہ اب انہیں میری ضرورت
نہیں رہی۔ میں اپنے ملک کے لیے بہت کام کر چکا۔ اس
بجے ابھی نیند سو جانا چاہیے۔ اور ہاں جب کسی کے بارے
میں یہ فیصلہ کر لے تو پھر وہ شخص موت سے بچا رہ کر کہیں
نہیں جاسکتا۔ لہذا میں نے بھی کوئی گوشش نہیں کی۔ کہیں جانے
کی۔ بس سیدھا اپنے کمرے میں آ گیا اور کیپسول منہ میں لے کر
بیٹھ گیا۔ میری بچی۔ تم اپنی اتنی کے پاس جاؤ۔ اتنی سے
کہو۔ گھر میں کھانا آئے ہیں۔ ان کے لیے چائے تیار
کر دو۔

”جی اچھا ڈیڈی: لڑکی نے کہا اور جاگتی پئی گئی۔

”یکہ کیا تم نے کتنا چاہتے ہو خاکوانی۔ کہ تم ہمارے دشمن ملک
کے ہاسوس ہو۔“

”جی اا۔ میں اگرچہ اسی ملک میں پیدا ہوا۔ لیکن جب
میں نے ہوش منبھالی تو بہر کوں مر رہا تھا۔ مارا مارا پھر رہا
تھا۔ ایلے میں ہاں نے میرا اتہ تھا۔ اور پھر میں اسی کے
اشاروں پر ناپختہ لگا۔ بہت بعد کی بات ہے کہ بے معلوم
ہوا۔ پاس دراصل دشمن ملک کا ایجنٹ ہے۔ لیکن اس
وقت میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ مجھے بچنے کا مطلب ہی موت
تھا۔ لہذا اسی کے اشاروں پر ناپتا رہا اور دولت حاصل کرتا

راہ۔ اب اگر اچانک اس سے یہ بات نہ کہے۔
مذاہق کہیں رہی۔ جس کا مطلب ہے تھا کہ اب میں لقمہ
رہوں۔ لہذا میں جا رہا ہوں۔ اس دنیا سے کوچ کر رہا ہوں۔
یہ کتنے وقت اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ بدلتا تھا تو کپٹنے لگا۔
شہر و خاکوانی۔ اتنا عرصہ ملک سے غداری کرتے رہے ہو۔
اب بھی تم اپنے ملک کے کام آ سکتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔
نہیں چانسی کی سزا نہیں ہونے دوں گا۔ تھوڑی بہت سزا ضرور
ہوگی۔ لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہے، جب تم وہ تمام باتیں
بتا دو۔ جو اب تک دشمن ملک تک پہنچا چکے ہو۔ اور سب سے
پہلے تو بینک کے بارے میں بتاؤ۔

”بینک میں نے وصول کی تھی۔ لیکن اس کے بارے میں حال
ہی میں ہدایات یہ تھیں کہ آپ کو مذوی جائے۔ بلکہ پاس کے
آدمیوں کو مذوی جائے۔ چنانچہ وہ تینوں فوراً ہی بینک پہنچے آ گئے۔
اور میں نے بینک ان کے حوالے کر دی۔ وہی بجے بے کیپسول دے
گئے ہیں۔ اور رہی بات کہ آپ بے چانسی سے بچالیں گے۔
ہو سکتا ہے، یہ درست ہو۔ لیکن اس بجے ہرگز نہیں چھوڑے
گا۔ میں نے انہیں انسانی اہم رشتا و رذات کی ٹانگیں دی ہیں تیار کر
کر کے دی ہیں۔ نہیں نہیں۔ میں نہیں بچ سکتا۔ کاش میں نے
بہر کوں مرنا نہ کہہ کر دیا ہوتا۔ اور ہاں کے گھٹے میں ڈالتا۔ تم میں۔“

یہی کیا :

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے کیپسول دانٹوں کے ذریعہ

دبا ڈالا :

”سب لوگ نیچے گر جائیں : جلانی نور پتلیا :

اور ہم سب نے خود کو فرش پر گرا دیا : لیکن کوئی دھماکا
نہ ہوا : ہم نے دیکھا : ناکوانی کے چہرے پر غصے کی بجائے اب
حیرت کے آثار تھے : ہم کپڑے بھاڑتے ہوئے آٹھ کھڑے ہوئے
”حیرت ہے :“ : اس نے جیسے کیسا کیپسول دیا تھا : ناکوانی
کے منہ سے نکلا :

”کیا تم کسی قسم کی تکلیف محسوس کر رہے ہو :

”نہیں : بالکل نہیں : اس نے کہا :

”پھر اب تم کیا کہتے ہو : اپنے حک کی حد کرنے کا ارادہ
ہے یا نہیں :

”م : میں ضرور کروں گا : ہر ذہنیت بتاؤں گا : جو بتا سکتا
ہوں :“

”بہت اچھے ناکوانی : تمہارا نظیر ابھی مرا نہیں : اور جب تک

آدمی کا نظیر زندہ ہے : وہ مرتا نہیں :

”آپ : آ : آ :“

اپنا ایک اسے ایک زوردار جھرجھری آئی : آنکھوں میں جھرجھری

حیرت کے بعد غصے جگ اٹھا : پھر وہ دھڑام سے گرا اور بے سحر
ہو گیا : ہم سب بے کھلا اٹھے : ہلک کر دیکھا گیا : جلانی نور
کے منہ سے نکلا :

”آپ : اس کا بدن تو بالکل گرم ہو گیا ہے :“ : گویا جل

ا جا رہا ہے :

سب نے باری باری اسے چھو کر دیکھا اور جلدی سے ہاتھ
پکچھنے لگے : وہ بڑی طرح تپ رہا تھا : پھر اس کے بدن میں مسلسل
جھرجھری پیدا ہوئی اور آخر وہ ساکت ہو گیا : اب جو ہاتھ لگا کر دیکھا
یہ تو بدن بالکل سرد تھا :

وہ مارا

”سڑ بولی نور۔ لاش پرست مارٹم کے بیٹے بھرا دی جانے۔
ہم ذرا پروفیسر عتقانی صاحب سے مل آتے ہیں۔“
”لو کے سر؟“ اس نے کہا۔
”آؤ جی چلیں، مشرکاشن۔ آپ ہی آئیں۔“
ہم ان کے ساتھ پروفیسر عتقانی کی تجربہ گاہ میں داخل
ہوئے۔ وہ بے تابانہ انداز میں ٹہل رہے تھے۔ ہم سب کو دیکھ
کر بھی انہوں نے ٹھنک نہ کیا۔
”جی جناب۔ ہم آگئے ہیں؟“ آفتاب بول اٹھا۔ وہ چونک
کر رک گئے۔ اور پھر اس طرح بولے جیسے خواب میں بول
رہے ہوں۔

”فخاری صاحب۔ ان سے کیا ہو گیا۔ اب۔ اب ہم اس
کا راز کسی طرح نہیں جان سکیں گے۔“
”جی ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ فخاری صاحب

”آئیے۔“ بیٹھ کر بات کریں۔ کیا یہ بات بالکل درست
ہے؟ لوگ وہی ٹینک لے کر میرے پاس آئے تھے؟
”جی ہاں۔“ سو فیصد درست ہے۔
”اے ری تقدیر۔“ پروفیسر عتقانی نے ماتھے پر ہاتھ مارا،

پھر بولے:

”جیسے واقعات سنائیے۔“

فخاری صاحب نے تمام حالات کہ سنائے۔ ان کے
خاموش ہونے پر بھی پروفیسر خاموش رہے۔
”کچھ نہیں بھی تو بتائیے۔“ آخر اس ٹینک کی کیا اہمیت
ہے۔ شاید ہم اس سلسلے میں آپ کی مدد کر سکیں گے۔
”تم۔ تم۔ تم۔ تم لوگ جھوٹا مدد کر سکو گے۔ اب مدد کا
وقت گزر چکا ہے۔ کاش تم نے وہ ٹینک فوراً پولیس کے
حوالے کر دی ہوتی۔“

”اس صورت میں تو مجرم اور بھی آسانی سے اسے حاصل کر
لیتے۔ وہ پولیس کے پاس خاکوانی سیڑیوں کو بیچا لگتے تھے۔“ آفتاب
نے جمل کر کہا۔

”ہاں۔“ ٹینک کہہ رہے ہیں؟ فخاری صاحب نے تسلیم
کیا۔

صدا کی ڈرا کر میں صوفیہ بتاؤں کہ اس ٹیکٹ کو صاف کر
ہے۔ ہو سکتا ہے ہم کہ کام آئیں۔ کیونکہ ہم نے پاس کچھ
سی باتیں سنی ہیں۔

میں نہیں سمجھ سکتا۔ تمہیں اس قدر اہم باتیں بتانی چاہیں
ہیں یا نہیں۔ پروفیسر حنفی نے منہ بنایا۔

اس میں تو کوئی شک نہیں جناب کہ یہ چاروں وطن کے بڑے
ہمدرد ہیں۔ غفاری صاحب بولے۔

اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو میں بتائے دیتا ہوں۔
انہوں نے کہا اور ہمارے دل دھک دھک کرنے لگے۔ جس
معاظے میں اچھے ہوئے ہیں اتنی دیر ہو گئی تھی۔ اس کے
بارے میں اب کچھ معلوم ہونے والا تھا۔ ایسے میں دل دھک
دھک نہ کرتے تو کیا کرتے۔ جب کہ عام حالات میں ہی ان کا کام
دھک دھک کرتا ہی ہے۔

پچھلے دنوں غفاری صاحب کو ایک نوٹ بنگ پڑا سرسرا
حالات میں موصول ہوئی۔ وہ برائی ڈاک سے موصول ہوئی تھی۔
غفاری صاحب نے اسے کھول کر دیکھا تو اس کے تمام اوراق
ساہو تھے۔ بچنے والے نے پتا نام پتا۔ کچھ نہیں لکھا تھا، بس
غفاری صاحب کا نام اور پتا دیا تھا۔ وہ ہمارے دشمن ملک سے آئی
تھی۔ لیکن آئی تھی پیکر کاٹ کر یعنی دشمن ملک سے پہلے ایک

پروپاگنڈا ملک میں بھی گئی اور وہاں سے اس کی کاپی
ملک سے ہمارے پاس کوئی بھی نہیں آسکتی۔ بچنے والے نے
اپنی ملک کا نام ضرور دیکھ کر کہہ دیا تھا۔ اس طرح
میں معلوم ہوا کہ وہ وہاں سے پہلے تھی۔ اب چھ کچھ اس پر
کہ جس ملک کو نہیں تھا، اس لیے انہوں نے وہ ڈائری میرے
ہاتھ کر دی۔ لیکن میں بھی اس پر کچھ لکھا ہوا دیکھ سکا۔
ڈائری کو حفاظت سے رکھ لیا گیا۔ لیکن۔ غائب خاکوانی کو اس
کے بارے میں معلوم ہو گیا اور اس نے اس کے بارے میں
اپنے پاس کو اطلاع دے دی۔ پاس نے یہ خبر دشمن ملک
میں دے دی۔ خاکوانی کے بارے میں ابھی معلوم ہوا
ہے۔ اس سے پہلے ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ کسی ایجنٹ کو
میں کن گنگ گئی ہوگی۔ لیکن موجودہ حالات کے تحت یہ بات
صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ خاکوانی تھا جس نے اپنے پاس
کو اطلاع دی اور پاس نے دشمن ملک میں کو ایک ڈائری پراسرار
حالات میں غفاری صاحب کو مل گئی ہے۔ چنانچہ اس طرف بھی
اپنی پہل شروع ہوئی۔ اس دوران غفاری صاحب کو ایک خط
مل گیا۔ خط میں لکھا تھا کہ نوٹ بنگ آپ کو بہت غصے طریقے سے
بجھوائی گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بات راز نہیں رہ سکی۔
اسی وجہ سے نوٹ بنگ پر تحریر نظر آنے والی نہیں لکھی گئی۔

اب اس پر بھی تحریر پڑھنے کے لیے ایک ہیئر بھیجی جا رہی ہے۔
اگر وہ چیز بھی دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔
ہمیں اس وقت خاکوانی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔
چنانچہ اس نے نفاذ بساپ سے کسول کر پٹلے خود ہڈیاں اور
دوبارہ بند کر کے فٹاری صاحب کو دیا۔ یہ الفاظ سنے کر میرے
پاس آئے۔ اور پھر انہوں نے عکرو ڈاک اور دوسرے آفیسرز
کو ہدایات دے دیں۔ تاکہ وہ چیز ان تک پہنچ سکے اور وہ برنگ
اس کے گھر تک پہنچ بھی گئی۔ لیکن آستین کا سانپ تو خاکوانی
تھا۔ اس نے بیگ اپنے باس کے آدمیوں کے حوالے کر
دی۔ یہ ہے گل کمائی۔ خاکوانی کے باس نے اپنے آدمیوں
کے ذریعے ان تینوں سے بیگ حاصل کرنے کی کوشش کی اور
انہیں ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ گرفتاری صاحب خاموش
ہو گئے۔

ہوں۔ تو یہ ہے معاملہ۔ اب یہ بتائیے۔ وہ نوٹ
بک کہاں ہے؟

نوٹ بک میرے پاس ہے۔ اب اس کی کیا اہمیت۔
وہ باقی ہے۔

کیا آپ دوسری بیگ کے لیے درخواست نہیں کر سکتے؟
نہیں۔ ہمیں تو معلوم ہی نہیں کہ نوٹ بک اور بیگ بھی

میں نے جہاں
اب میں فٹاری صاحب کی طرف نظر دوایا۔
فٹاری صاحب۔ نوٹ بک کی حفاظت کا انتظام کریں۔
اور ہمارے لیے ایک گاڑی کا۔ جس میں ہم حفاظت کریں گے۔
سکیں اور واپس یہاں آسکیں۔ اس گاڑی کے آگے اور پیچھے
میں حفاظتی کواٹیاں بونی چاہیے۔ اگر حفاظتی انتظامات ناممکن
ہو گئے تو پھر ہمیں الزام دے دیں گے۔ میرا الزام نہ پڑے۔

کیا مطلب۔ تم لوگ کیا کہنا چاہتے ہو؟
ہم۔ ہم وہ بیگ دہا چاہتے ہیں۔
کیا مطلب۔ بیگ دہا چاہتے ہو۔ لیکن کہاں سے۔
اسے تو کچل دیا گیا تھا۔ تم لوگوں کا دماغ تو نہیں پس
گیا۔

ہمارے دماغوں کی بات چھوڑیں۔ اگر بیگ حاصل کرنا چاہتے
ہیں تو فوری طور پر یہ انتظامات کریں۔ میں ہوں۔

فٹاری صاحب چند لمحوں تک ہمیں گھورتے رہے، پھر من
سے کچھ کے ہیئر فون پر جٹ گئے۔ انتظامات مکمل ہونے
میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ نوٹ بک کی حفاظت کی طرف
سے مطمئن ہو کر ہم اس گاڑی میں بیٹھے اور روانہ ہو

گئے۔ سب الیکڑ کا شان ہمارے ساتھ تھے۔ غفاری صاحب سب
کے اگلی مخالفتی کار میں تھے۔
"بہنی بہت اونچے اڑ رہے ہیں اس بار تو یہ کا شان
لگا۔"

"نہیں تو اگل۔ ہم تو کار میں سفر کر رہے ہیں! آفتاب
لے کہا اور وہ ہلکا لے لے۔
"ہم کہاں جا رہے ہیں! کا شان لے پوچھا۔
"ابھی نہیں جانیں گے۔"

"یہ سے چھانے کی کیا ضرورت۔ کیا تم مجھے بھی خاکوانی
بجھتے ہو۔ انہوں نے برا مان کر کہا۔"

"جی نہیں۔ آپ خاکوانی قسم کے آدمی نہیں ہو سکتے۔
ہم تو بس احتیاطاً نہیں بتا رہے۔ کیا خبر۔ اس گاڑی میں بھی
دشمنوں نے کوئی آڑ بٹ کر دیا ہو۔ اور وہ کچھ خاملے پر کار میں
بیٹے ہماری گنٹر سن رہے ہوں۔"

"اوہ او۔ اس کا واقعی امکان ہے! کا شان نے جلدی
سے کہا۔"

ایک چوڑا بے پردہ پہنچ کر میں نے ڈرائیور کو ہدایات
دیں۔

"یہاں سے نام داس بڈنگ کی طرف پنا ہے۔"

"اصل۔ عمارت کو گھیرے میں لے لیں۔ کہیں حملہ نہ کیا
جائے۔ پاروں طرف ملٹری کے جوان موجود ہونے چاہئیں۔
میں نے جلدی جلدی کہا۔
"فکر نہ کرو۔ غفاری صاحب بہت آدمی ساتھ لائے
ہیں۔"

عمارت کو پاروں طرف سے گھیرے میں بیٹنے میں بھی
کچھ وقت لگا۔ اور جب پوری طرح اطمینان ہو گیا تو میں نے
کہا۔

"اب صرف میں عمارت کے اندر جاؤں گا۔ باقی لوگ
یہیں رہیں گے۔
"ٹھیک ہے۔" غفاری صاحب بولے: "ہیں تو صرف
ایک چاہیے۔"

"عمارت کے پچھلے دروازے سے اگر میں نکلوں تو مجھے روکا
نہ جائے: میں نے کچھ سوچ کر کہا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ہدایت جلدی کر دیتا ہوں۔
"شکر ہے جناب! میں نے کہا اور عمارت کے اندر داخل
ہو گیا۔

اشفاق، اخلاق اور آفتاب باہر ہی کھڑے رہ گئے۔
میں دس کے بغیر پچھلے دروازے پر پہنچا، دروازہ کھولا ہی

تھا کہ۔ میں اسی وقت کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا اور

رام داس بڑنگ گرد کے بادلوں میں چھپ گئی۔ میں نے
جی گرا اور کئی سیکنڈ تک اپنے حواس درست نہ کر سکا۔
آخر خدا خدا کر کے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔



میں دھڑکے کرے میں تنہا بیٹھا تھا۔ ابھی میں نے اپنی
انڈکی اطلاع اتنی جان اور آہا جان کو بس نہیں دی تھی۔
اب تک دور دور سے رونے کی آواز سنائی دی اور پھر اندول
دروازہ کھلا۔ اشفاق، اشفاق، آفتاب اور اتنی جان بے تھوڑ
دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ آہا جان بھی
تھے۔ ان کی آنکھوں سے جھن آٹو بہہ رہے تھے اور ان سب
کے چہرے خنداری صاحب اور کاٹھان تھے۔ پھر ان سب کی
آوازیں یک لخت رگ گئیں۔ آگے ہیبت سے پھیل گئیں۔
”تم۔ تم۔ شوکی۔ تم تھوڑا“

”نہیں۔“ میرا ہوت ہے۔ میں نے ٹھکرا کر کہا۔

”۔۔۔ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ رام داس بڑنگ تو پوری
کی پوری بے کا ٹیپر بن چکا ہے۔“

”بھائی ر کے، اسے کوئی پٹے۔ اس میں میں اس وقت

”۔۔۔“ اس نے ٹھکرا کر کہا۔ شاید وہاں سے آئے۔
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“
”میں نے دیکھا تھا۔ شاید وہاں سے آئے۔“

تو پھر۔۔۔ ایک تم نے کہاں چھپائی تھی۔ اور کیا وہ ایک اہل
نہیں تھی بے خبروں نے میں ڈالا۔
ہی نہیں۔ وہ تو میں نے اس سے ملتی بھلتی بازار سے
فریادی تھی اور اس ایک کو بڑیا کے گھر میں اُس وقت چھپا دیا
تھا جب ہم اس سے ملنے گئے تھے۔
اور۔۔۔ انھاری صاحب کے من سے نکلا۔ "تت تو۔۔۔ تو کیا۔۔۔"

بلکہ اب تم سے پاس ہے :
 "ہاں۔۔۔ بالکل ہے۔۔۔ لیکن اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔۔۔
 میں جلد از جلد پرہیز خدائی صاحب کے اُن پہنچ جانا چاہیے :
 میں نے کہا۔

ٹھیک ہے۔ چلو! انہوں نے آٹھ بجے کہا۔
ایسے نہیں۔ پچھلے منافع افشاءات کراہیں؟

آدم گھنٹے بعد ہم زبردست ٹھکانی میں پروفیسر عقلانی کی
تحریر کا کاؤنٹر کر رہے تھے۔ باب ہم وہاں پہنچتے ہیں۔
رات کے دس بج رہے تھے۔ یہ پھر صبح سویرے شروع ہوا
تھا اور اس وقت تک ہم نے اس کے بغیر کام کیا تھا۔ ہمارا
جوڑ بھڑا کہہ رہا تھا۔ پروفیسر عقلانی کو ہم نے اسی طرح پہلے تیار
انداز میں ٹھیلے دیکھا۔ ہمیں اندر داخل ہونے اور کچھ کر دینے کے

عجب اور بولے: اشوکی بے چارہ مارا گیا۔ اور وہ بینک بھی
انٹرس اسٹیشن۔ میں نے اسی وقت بینک دیکھ لی ہوتی
عنی۔ کاش۔۔۔ ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ ان کی
نہریا مجھ پر پڑ چکی تھیں۔
اُسے باتیں۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں: ان کے منہ
سے نکلو۔

ابھی تک تو آپ مرے دیکھتے رہے ہیں، لیکن اب تک ابھی دیکھیے۔

کہ کہ میں نے ییگک جیب سے نکالی اور ان کی
 کی طرف بڑھا دی۔ انہوں نے ییگک پر اس طرح چپٹا دیا
 جیسے کوئی باز چڑیا پر چپٹتا ہے۔ دوسرے ہی لمحے وہ اے
 آنکھوں پر لگ چکے تھے۔

”ارے۔ اُف۔ ہر چیز سونے کی۔ خدا کی پتا۔
 بالکل سونے کی نظر آ رہی ہے؟ انہوں نے بچوں کے انداز میں
 تائیاں بھا کر کہا۔

پروفیسر صاحب :- یہ آپ کیا فرما رہے ہیں مہربانی فرما کر جلدی سے وہ نوٹ بک نکال لے۔ اور اس میں بھی قری

کہہ رہے تھے۔
ان۔ میں تو ہوں ہی گی۔ کیا تم کو کچھ کی سزا
کے اگلا وقت ملے گی؟
ان۔ ہاں ملے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔

ابھی بات ہے۔ تو پھر میں ڈرتے ڈرتے اس
نوٹ بک کو نکالتا ہوں؟ یہ کہہ کر وہ اٹھے اور دیوار میں
نعب بیٹ بک لگے۔ پچھلے اسس کا نمبروں والا کلا
کھولا۔ اس کے بعد اس کے کٹے سے پر لگا بڑا سا تار
کھولا۔ تھری کے پٹ کھل گئے۔ پروفیسر عثمانی صاحب
نے اندر ایک تیزخود کھول کر سیاہ پھرے کی جلد والی ایک
چھوٹی سی نوٹ بک نکال لی۔

یہ ہے وہ نوٹ بک۔ انہوں نے کپکپاتی آواز میں
کہا۔

مہربانی فرما کر یہ پڑ اسرار بیک آجھوں پر لگا لیں
اور پڑھیں۔ اس میں کیا لکھا ہے؟ میں نے بے چین ہو
کر کہا۔

ان کیوں نہیں؟ یہ کہہ کر وہ غصائی صاحب کی طرف
مڑے۔

کیا نوٹ بک کی تحریر ان لوگوں کے سامنے پڑھی جاسکتی

ہے۔ اس کا دل بھاری طرف تھا۔
ان۔ کوئی فرق نہیں ہے۔
میں نے انہوں نے کہا اور ڈائری کھول لی۔ دوسرے
صفحے پر بیک میں سے دیکھتے ہی وہ چلا آئے،
وہ دارا۔ تحریر نظر آئے گی ہے؟

حیرت انگیز مطالبہ

"اور یہ کارنامہ شوکی اینڈ برادرز نے انجام دیا ہے؟ غفاری صاحب پڑ بولیں مجھے میں بولے۔"

"ان باتوں کو پھر یہ جناب پہلے تو یہ دیکھیے کہ اس نوٹ ہک میں کیا لکھا ہے؟"

"ان کیوں نہیں۔ اس پر بالکل صاف ستھری انگریزی زبان میں ہینامات درج ہیں۔ میں ابھی پڑھ ڈالتا ہوں؟ یہ کہہ کر وہ پڑھنے لگے۔ جون ہوں پڑھتے گئے۔ ان کا رنگ اڑا گیا یہاں تک کہ نوٹ ہک پھوٹ کر بچے گر پڑی۔ اور وہ غلامی میں تھکے رہ گئے۔"

"خیر تو ہے یہ دیر صاحب، کیا اس میں کوئی بہت خوفناک بات لکھی ہے؟ غفاری صاحب ہلکا کر بولے۔
"نہ۔ ہی۔ ان۔"
"لہذا کے لیے ہلہ بتائیے۔"

"بچے۔ مجھ میں بتانے کی بہت نہیں۔ خود ہی پڑھ لیجیے۔ انہوں نے میری مری آواز میں کہا، رنگ سیاہ ہو پھلا تھا۔"

اب غفاری صاحب نے نوٹ ہک کے ورق اٹھنے شروع کیے، ہماری بے قرار کاکیاں ٹھکانا۔ بس نہیں چل رہا تھا۔ درج نوٹ ہک ان کے ہاتھ سے پھین پھینتے اور پڑھنے لگ جاتے۔ اور پھر نوٹ ہک غفاری صاحب کے ہاتھ سے بھی گر گئی۔

"یا اللہ رحم۔ یہ کس قسم کی نوٹ ہک ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اسے اٹھا لیا۔ سوائیہ نظروں سے غفاری صاحب کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہوں۔

"کیوں، جناب۔ کیا ہم بھی اسے پڑھ کر دیکھ سکتے ہیں؟ لیکن وہ تو ہماری طرف متوجہ ہی نہیں تھے،

"ذر۔ ذرا۔ یہ جینک۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا اور اُٹھ کر اوجھڑا پھوٹ دیا۔

"اں۔ یہ تو۔" انہوں نے کسے کسے انداز میں کہا اور جینک میری طرف بڑھا دی۔ بس پھر کیا تھا۔ ہم ایک ساتھ نوٹ ہک پھاڑنے لگے۔ اور یہ بے نیالی میں ہوا۔ حالانکہ نوٹ ہک کی تحریر تو صرف اسے نظر آ سکتی تھی جس نے جینک لگا رکھی ہو۔ چنانچہ بے تحریر نظر آنے لگی اور میں پڑھتا چلا گیا۔

میں تیار ہو چکی تھی کہ دوست ڈاکٹر صاحبان ہوں۔
ہوئی ایک سائنس کا تجربہ میں شرکت کے لیے
دوست ملک کے لیے روانہ ہوا تھا۔ بچے راستے
میں سے ہی انوار کو پکڑ لیا گیا۔ میں جانتا ہوں۔ اس
وقت کے بعد سے کہ اب ملک کسی کو میرے
بارے میں کوئی خبر نہ مل سکی۔ دنیا بھر میں بچے تلاش
کرنے کی کوششیں کی گئی ہوں گی، لیکن میرا کوئی سراغ
نہیں ملا ہو گا۔ حق بھی کیسے۔ جس دن سے بچے انوار
کیا گیا ہے، میں نے آسمان نہیں دیکھا، ایک عظیم
تہ خانہ نما عمارت ہے جس میں میں قید ہوں۔ یہاں
میرے علاوہ اور بھی بچے شہر قیدی ہیں، ہم سب کے
سب سائنس دان ہیں۔ تم اسے زمین دوز دنیا کہہ لو
اس زمین دوز دنیا میں ہمیں رکھا گیا ہے۔ یہ لوگ
اسے سائنس کی دنیا کہتے ہیں۔ سائنس دان ہر وقت
تجربات میں مصروف رہتے ہیں، ان سے یہ لوگ اپنی
مرئی کے تجربات کرا لیتے ہیں۔ یہ بات تمہارے علم
میں ہی ہے کہ مجھے پچھن سے ہی جراثیموں سے بچہ
دلچسپی رہی ہے۔ میں نے اپنے لیے یہی مضمون منتخب

یہ بات اور یہ ہیں بچے جراثیموں کا ماہر ہیں
مجھ میں پچھتا تھا، اپنے ملک میں جراثیموں پر مضمون
تجربات کروں تاکہ اس سے اپنی روح انسان کی بھلائی
ہو، لیکن کے مضمون تھا کہ میرے ارادے، میری امیدیں
میری خواہشات سب کی سب دھری کی دھری رہ جائیں
گی اور میں اس نہ ملک بے بس اور مجبور ہو جاؤں
گا۔ کاش میں انوار کو کیا جانتا۔ چونکہ میرے تمام تجربات
موت جراثیموں ملک ہی محدود تھے اور اس معاملے میں
مجھ سے زیادہ ماہر شاید ہی کوئی بھری دنیا میں ہو گا۔
یہاں ملک کر میں نئی نئی قسموں کے جراثیم تک پہنچا
کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور پھر ان جراثیموں
پر تجربات بھی کیے تھے کہ وہ کن خائیتوں کے مالک
ہیں۔ لہذا جب انوار کے بچے اس سرزمین میں لایا
گیا تو مجھ سے ایک حیرت انگیز مطالبہ کیا گیا۔
تم اس مطالبے کو سن کر حیران ہو گئے، لیکن
بات حیرت کی نہیں خوف کی ہے۔ اس خوف نے
مجھے بہت دنوں سے اپنی پیٹ میں سے رکھا ہے۔
کاش میں اپنی قوم کے لیے کچھ کر گوارنے میں کامیاب
ہو جاؤں۔ ان تر وہ مطالبہ یہ تھا کہ میں ان لوگوں کے

یہ ایسے مہم راہیم تیار کروں جو انسانوں کو مشلوں میں
جک کر دیں۔ اس قسم کے جراثیم تیار کرنے کے
بارے میں میں نے کام شروع کرنا تو درکنار، سوچا بھی
نہیں تھا۔ کیونکہ میں تو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لیے
کام کرنا چاہتا تھا، نہ کہ ان کی بربادی اور ہلاکت کے
لیے۔ لہذا ان کے مطالبے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔
میں نے بیخود بیخود ان سے کہا۔ میں ایسے جراثیم ہرگز تیار
نہیں کر سکتا۔ چاہے تم میری بوٹیاں اڑا دو۔ یہ
نہ کرے لوگ بنے۔ اور کہنے لگے۔ بوٹیاں اڑانے کی
میں کوئی ضرورت نہیں۔ تم بخوشی ہمارے لیے ایسے
جراثیم تیار کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ میں ان کا مطلب
اس وقت تو نہ سمجھ سکا، بعد میں پتا چلا۔ ان لوگوں
نے میرا بیٹا حرام کر دیا۔ مجھے سونے نہیں دیتے تھے۔
جب نیند آنے لگتی۔ ٹنڈے پانی کی بالٹیاں مجھ پر
اُلٹی ہانپنے لگتیں۔ انہوں نے مجھے مارا دیا۔
میں سونے نہیں دیا۔ اور مجھے خودکشی کرنے کی
کوشش کا موقع دیا گیا۔ اگرچہ میں ہانتا ہوں۔ خود
کشی حرام ہے۔ لیکن میں نے سوچا۔ ان حالات میں
مگر انسان خودکشی کرے تو شہ ہرگز حرام نہ ہو، کیونکہ

اس طرح میں بنی نوع انسان کی ہلاکت کا باعث
نہیں بنوں گا۔ لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ خدا ہر چیز پر
قادر ہے۔ اس کا بنایا ہوا قانون اٹل ہے۔ اگر
اس نے یہ کہہ دیا ہے کہ خودکشی حرام ہے۔ تو پھر
وہ ہر حالت میں حرام ہی ہے۔ اگر یہ نوٹ بک اور
چیک تم تک پہنچ گئی تو یہی اس بات کا ثبوت ہے
کہ خودکشی کر کے میں ضرور حرام موت مرتا۔ جب کہ
زندہ رہ کر اور مجبوری کی حالت میں ان کا مطالبہ مان
کر بھی میں نے قوم کو بچانے کی ایک بھرپور کوشش
کرنا ہی ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ میری کوشش کو
کامیاب کرے۔ ان تو آخر کار میں جراثیم تیار کرنے
پر آمادہ ہو گیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ مجھے یہ کام شروع کرنا
ہی پڑا۔ پھر بھی میں نے یہ کوشش کی کہ مجھے اس
کام میں زیادہ سے زیادہ دیر لگے۔ تاکہ ہو سکتا ہے
نجات کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ لیکن جب انہیں
یہ شک ہوئے کہ میں بلاوجہ دیر لگا رہا ہوں تو
وہ پھر مجھ پر سختی کرنے لگے۔ ان کی سختی بس یہی تھی
کہ مجھے سونے نہیں دیا جاتا تھا۔ اور آخر میں ایسے جراثیم
تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جو انسان کے جسم یا خون

میں داخل ہوتے ہی اسے ہلک کر دیں۔ اب انہوں نے
ان جراثیموں کی پیدائش کے تمام مراحل مجھ سے تحریر
کروا لیے۔ اور دوسرے سائنس دانوں کو اس کی
تصدیق پر مامور کیا۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ میں انہیں دھکا
تو نہیں دے رہا۔ ان سائنس دانوں نے میرے
فارمولے کے مطابق جراثیم تیار کیے اور پھر ان کا تجربہ
کیا گیا۔ جو بالکل درست ثابت ہوا۔ یہ تجربہ انہوں
نے ایک ایسے سائنس دان پر کیا جس نے کسی طرح
میں ان کا کلم نہیں مانا تھا۔ اسے ہر قسم کی تکالیف
پہنچائی گئیں۔ مگر وہ شش سے مس نہیں ہوا۔ اس کا
ہر جسم چہرہ مجھے آج تک یاد ہے۔ اور مرتے دم
تک میں اسے یاد رکھوں گا۔ وہ ہی اگلا ہم وطن تھا۔
اس کا نام ڈاکٹر قادر بیگ تھا۔ ہو سکے تو اس
کے گھر والوں کو اس کی موت کی خبر سنا دینا۔
تاکہ وہ ساری عمر اس کا انتظار ہی نہ کرتے رہیں۔
اور ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ اس سائنس دان کی بیٹی میں اس
سے زیادہ بہادر اور انداز میں آج تک شاید ہی کسی
نے ہان دی ہوگی۔

اپنے ہی تیار کردہ جراثیم کے ذریعے اس کی

ہلکت کو دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ میرے بچہ کی
تصدیق ہو چکی تھی۔ اب وہ لوگ مجھ سے بہت خوش
تھے۔ لیکن میری خوشی تو عیا میٹ ہو چکی تھی۔
میں نے ان سے دعا کی کہ آخر وہ ان جراثیموں کا کیا
کریں گے۔ غفاری۔ شاید تم یہ سن کر کانپ اٹھو۔
ان کا ارادہ حد درجے بیہلک اور دہشت ناک ہے۔
وہ ہمارے ملک کی آبادی کو ان جراثیم کا لقمہ بنا
دینا چاہتے ہیں۔ لیکن چونکہ جراثیم اتنی بڑی مقدار
میں تیار کر کے نہیں بھیجے جاسکتے۔ اس لیے میرا تیار
کردہ فارمولہ۔ اپنے ایک سائنس دان کو بھیجنے کا
حوالہ رکھتے ہیں۔ وہ سائنس دان اس وقت ہمارے
ملک کا سب سے بڑا سائنس دان ہے۔ یہ اور
بات ہے کہ دشمن ملک کا ایکٹ ہے اور اور بھی
بہت سی سازشیں اس کے ذریعے سے کی جاتی ہیں۔
اس کا اس ملک میں پورا ایک گروہ ہے جو اس کے
اشاروں پر ناپتا ہے۔

ان جراثیموں کی خاصیت یہ ہے کہ ہوا میں ان کے
شامل ہونے کی دیر ہے اور بس۔ پوری کی پوری
آبادی ان کا شکار ہو جائے گی۔ یہ آئن کی آن میں

ہوا میں پھیل جائیں گے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے۔ وہ سانس وان ان جراثیموں کی پھیلاؤ شش و رگوں میں شروع کر چکا ہوگا۔ جو بھی وہ اپنا کام مکمل کرے گا جراثیم ہوا میں پھوڑ دیے جائیں گے۔ گویا پورے ملک کو موت کا لقمہ بنانے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی کس طرح۔ بیٹنگ کے ذریعہ پھگڑی۔ رنگ چمکا آئے۔ ذکوئی اسلہ استعمال ہوگا۔ دہائی اور مخالف ملک کے کروڑوں انسان موت کی یمنہ سو جائیں گے۔ اب تم شاید یہ سوچ رہے ہو مجھے کہ جراثیم پورے ملک کی آبادی میں کس طرح پھیل جائیں گے۔ تو یہ ایسی خاص بات نہیں۔ جس طرح آواز کی لہریں ہوا کے دوش ملک کے کونے کونے میں پہنچ جاتی ہیں، بالکل اسی طرح یہ پھیل جائیں گے اور ان سے بچاؤ بھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔ بچاؤ تو بھی ممکن ہے جب وقت سے بہت پہلے میرا پیغام تم لوگوں کو مل جائے۔ لیکن یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میں اس دنیا کا قیدی ہوں، چہ میں گھنٹہ گرائی کی باقی ہے۔ یہاں پرندہ بھی دم نہیں مار سکتا۔ ان حالات میں میں پریشان ہوں کہ اپنے ملک کو

یہاں تو کس طرح۔ آخر سوچنا میرا کام ہے۔ تجربات کرنے کے لیے میں آتی ہے۔ تجربات کرنے کے لیے میں جے چند نوٹ بکس دی گئی تھیں۔ میں نے تجربات کے دوران ایک نظر نہ آنے والی روشنائی تیار کی ہے۔ یہ تجربہ میں اس روشنائی سے ملک رہا ہوں۔ یہ روشنائی میں بہت پہلے اپنے ملک میں تیار کر چکا تھا، اس لیے یہاں بنانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ دیکھنے والوں کو نوٹ بک بالکل سادہ نظر آئے گی۔ اس روشنائی کو صرف میری تیار کردہ بینک کی مدد سے پڑھا جاسکتا ہے۔ یہ بینک اتفاق سے سفر کے دوران میرے پاس ہی تھی۔ نوٹ بک کے اوپر والے صفحے پر میں نے تمہارا نام اور پتہ عام روشنائی سے لکھ دیا ہے، تاکہ کوئی مروت بن جائے، تو یہ تم بینک پہنچ جائے۔ سادہ نوٹ بک پا کر تم حیران تو ضرور ہو گے۔ اور ضرور کسی سائنس دان کے پاس دوڑے جاؤ گے، لیکن وہ بھی اس پر لکھ کر نہیں پڑھ سکے گا۔ میری خواہش یہ ہے کہ یہ نوٹ بک اور بینک میں کسی نہ کسی طرح تم بینک پہنچاؤ۔ لیکن تمام راستے بند ہیں۔ کوئی سائنس

نظر نہیں آتا۔ میں سوچ سوچ کر شک ہوتا ہوں۔
اس کے باوجود سوچ رہا ہوں۔ قدرت کی طرف
سے کسی امکان کا انتظار ہے۔ فی الحال تو یہ
ناممکن ہی نظر آتا ہے۔

یہ بھی بتانا چاہوں کہ ان ہراثیموں کا توڑ تیار
کرنے میں بہت وقت لگ جائے گا۔ لیکن اس
کے باوجود اگر وہ سائنس دان اپنا کام مکمل کرنے
میں کامیاب ہو گیا تو کیا ہو گا۔ لہذا بہتر صورت
یہی ہے کہ جو کچھ ڈائری اور بینک تمہیں ملے۔
اس سائنس دان کو تلاش کرنے کی کوشش شروع
کر دی جائے۔ مجھے اس کا نام نہیں بتایا گیا۔ ورنہ
کہہ دیتا۔ خدا کرے۔ کوئی ایسی صورت سامنے آ
جائے کہ میں یہ تم تک پہنچا سکوں۔

ان الفاظ کے بعد نوٹ بک کا ایک صفحہ خالی تھا اس
سے اگلے صفحے پر یہ الفاظ لکھے نظر آئے۔

”تمام اُمیدیں نوٹ گئیں۔ ان لوگوں کو اب میری
ضرورت نہیں رہی، انہوں نے میری موت کا حکم سننا
دیا ہے۔ موت کے بعد میری تلاش کو ڈاکٹروں کے
حوالے کر دیا جائے گا۔ ڈاکٹر میری تلاش میں سے

میرے کی چیزیں نکال لیں گے اور پھر وہی کام کریں گے
کوئی کے آگے ڈال دیا جائے گا۔ ان حالات میں
میں بہت پریشان ہو گیا ہوں۔ مجھے اپنی موت کا
خوف نہیں۔ فکر نہیں۔ لیکن یہ سوچ سوچ کر کانپ جاتا
ہوں کہ قوم کا کیا بنے گا۔ ایسے میں میں کوئی طریقہ
سوچنے کی فکر میں ہوں۔ کاشش مجھے کوئی ترکیب
سوجھ جائے۔“

ان الفاظ کے بعد پھر ایک صفحہ خالی تھا۔ اس کے بعد
یہ الفاظ لکھے تھے۔

”شاید خدا نے میری سس ٹی ہے۔ مجھے ایک ترکیب
سوجھ گئی ہے۔ چند روز بعد مجھے پچانسی دی جائے
والی ہے۔ نوٹ بک اور بینک کو میں نے ایک وائر
پروف لٹافے میں بند کر کے اپنے جسم میں ایک شگاف
کیا ہے۔ دونوں چیزیں میں نے اس شگاف میں رکھ
لی ہیں۔ اب میں خدا سے دعا گو ہوں کہ میری لاش
ہوسٹ مارم کے لیے کسی ایسے ڈاکٹر کو ملے جس
میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔ وہ
جب کاشش کے اس ہفتے کو کھولے گا تو اس میں
نوٹ بک اور بینک پائے گا۔ اس کی حیرت کا

اس مدد تک بڑھ چکی ہے کہ ان کا ملک بہت کمزور ہے۔ انہیں ضرورت ہے ایک خالی ملک کی۔
 ہو گیا ہے۔ اپنے ملک کی آبادی اس میں آباد کر سکیں۔
 تاہم یہ اپنی قوم اگر ختم ہوتی تو بہر حال یہ اسلام کو
 یکن پہنچنے والی بات ہو گی۔ اس دعا کے ساتھ یہ
 غور غم کرتا ہوں کہ خدا مجھے میرے مقصد میں کامیاب
 کرے۔ آمین۔

ڈاکٹر مافلان:

میرے ہاتھ سے نوٹ بک نہیں گری۔ بیباک پروفسر عقلانی
 اور فخری صاحب کے ہاتھوں سے گر گئی تھی۔ میں نے یہ خود
 اشتاق کو دی اور بیباک بھی اس کے حوالے کی۔ کمرے میں سوت
 کی خاموشی طاری تھی۔ اشتاق کے بعد اخلاق اور آفتاب کی
 باری آتی۔ اور پھر سب کی نظریں پروفسر عقلانی پر جم
 گئیں۔

یہ کس قدر عجیب و غریب بات تھی۔ جس سائنس دان
 کے غلط یہ تحریر لکھی گئی تھی۔ فخری صاحب نے نوٹ بک

اس وقت جب عالم ہو گا۔ میں نے نوٹ بک کے پہلے
 صفحے پر اس سے درخواست کی ہے کہ یہ دونوں چیزیں
 تیس کس منہ پر چیتے سے ہوسٹ کر دے۔ کیونکہ اس
 میں بنی نوع انسان کی جلدائی پوشیدہ ہے۔ ساتھ
 ہی میں نے یہ ہدایت بھی لکھ دی ہے کہ دونوں چیزیں
 ایک ساتھ نہ بھیجے تاکہ کوئی خطرہ نہ پیدا ہو۔ اور
 ہر طرح متاثر نہ ہو۔ کسی کو سن گئے۔ لگے۔ کاش۔
 وہ ڈکھو دیں کر کے۔

مگر تمہیں یہ بیباک کی گئی تو میں سمجھوں گا، میری
 زندگی کا مقصد یہاں جو گیا اور شاید اس طرح میری
 روح کو سکون مل جائے گا۔ جب تمہیں یہ نوٹ
 بک اور بیباک ملے گی۔ میں اس وقت اس دنیا
 میں نہیں ہوں گا۔ تاہم میری یاد تو تمہارے آس
 پاس ہو گی۔ اور میں تمہاری آنکھوں کے سامنے
 ہمارا دکھائوں گا۔ خدا حافظ میرے دوست خدا حافظ۔
 خدا میرے ملک اور میری قوم کو قیامت تک سلامت
 رکھے۔ تاکہ وہ اسلام کو بدل بالا کر سکیں۔ کیونکہ یہ
 سازش اسلام کے غلام ہیں ہے۔ اگرچہ ان کا
 مقصد دوسرا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی آبادی

مرد اپنے ہاتھوں ان کے حوالے کر دی تھی۔ اور تحریر کو سب سے پہلے پڑھا بھی انہوں نے ہی۔ اگر کہیں انہیں یہ تحریر میسر آگئی تو شاید وہ اس نوٹ بک کو لاپس ہی کر دیتے۔ لیکن اب چونکہ انہیں سب کے سامنے تحریر کو پڑھنا تھا۔ اس لیے کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

یہی وجہ تھی کہ ہم انہیں گھور رہے تھے۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔ کیا کہیں۔ ڈاکٹر عاتق نے ایک بہت مفیم کام کیا تھا۔ ان کی ذہانت کی داد دینی پڑتی تھی۔ اپنے جسم میں وہ دونوں چیزیں نہ جانے انہوں نے کسی طرح رکھی ہوں گی اور اس سلسلے میں نہ جانے کس قدر تکلیف اٹھانا پڑی ہو گی، پھر بھی مرتے وقت انہیں یہ اطمینان ضرور رہا ہو گا کہ وہ اپنی سی کوشش کر چکے ہیں۔

جب ترین بات یہ تھی کہ انہوں نے سب سے بڑے سائنس دان کی طرف اشارہ کیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ غفاری صاحب نوٹ بک ضرور کسی سائنس دان کے پاس سے جہاں میں گئے لیکن اس سلسلے میں وہ بھلا کر ہی کیا کہتے تھے۔ بہر حال اتنا ضرور تھا کہ نوٹ بک پروفیسر عقادنی نے سب کے سامنے پڑھی تھی۔

ایک دوسرے کو گھورنے کا سلسلہ جب طویل پڑ گیا تو پروفیسر صاحب کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ انہوں نے ایک نظر سب پر ڈالی اور آخر میں غفاری صاحب پر نظریں جمادیں۔

یہاں میں پوچھ سکتا ہوں۔ آپ لوگ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔

کیا آپ خود یہ بات محسوس نہیں کر سکتے۔ غفاری صاحب بے چین ہو کر بولے۔

یہ محسوس نہیں کر سکتا۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ پروفیسر عقادنی تھکا آٹھے۔

غور فرمائیے۔ یہ تحریر کیا کہہ رہی ہے۔ میں بول اٹھا۔

کیا کہہ رہی ہے۔ وہ میری طرف گھوم پڑے۔

بھائے ملک کے سب سے بڑے سائنس دان آپ ہی تو ہیں پروفیسر صاحب۔ غفاری صاحب کی آواز میں گہرا طنز کا رنگ تھا۔

ملک۔ کیا مطلب۔ وہ ہلکے سے۔

مطلب یہ کہ وہ جتنی آپ ہی ہیں۔ جنہیں جراثیموں کا فارمولا بھی جا گیا ہے۔ اب آپ کو کیا معلوم تھا کہ اس نوٹ بک میں کیا ہے۔ اگر معلوم ہو جاتا تو کبھی کا اسے تلف

کہا۔
آپ لوگوں کو تعارض ہوئی ہے۔ یہودیوں کے ہمارے
میر ہم آپ کی قبر و گاہ کو سائنس دانوں کے ذریعے جانچ
کرائیں گے۔

اسی ملک میں اور بھی بڑے بڑے سائنس دان ہیں۔
آپ انہیں کیوں بھول رہے ہیں۔ یہاں پر ویسیر داؤد۔ پاپر
خوری۔ پروفسر شامی پیچھے بڑے بڑے سائنس دان ہیں۔ میں
جہاں ہوں۔ آپ مجھے ای کیوں مجرم خیال کر رہے ہیں۔ جسے
ان پر ویسیر داؤد اس وقت تک کے سب سے بڑے سائنس دان
ہیں۔ مطلقاً جتنے میں پروفسر خوری بھی کہہ سکیں ہیں۔ شامی
صاحب بھی ہیں ان کو ای شہرت کے مالک ہیں۔ یہودیوں پر مطلقاً
کچھ پتہ نہ ہے۔

ہوں۔ میں ہم تو آپ کو ہی سب سے بڑا سائنس دان خیال
کر رہے ہیں۔ غدار کی صاحب ہوئے۔

پھر ایک سائنس دان صاحب سے اس پر ویسیر عباس شامی
ہی تو ہیں؟ آپ کے کئی کئی

ان سے وہ۔ ان سے تو ہم بھول بی گئے۔ وہ بھی بڑے
بڑے سائنس دان ہیں؟ پروفسر مطلقاً کے ہندی کے گئے۔

آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا تو اسے ایک جھکی آدمی

کہا۔
میں۔ تو بہت بڑا سائنس دان ہے۔ یہودیوں کے
آپ کے "فریڈ" کتب کا تدار ضرور دہی ہے۔ وہی ڈگنا ہے۔
اور اس کی طرف رواد ہو رہا ہے۔
اور اس کے آپ انعام دی جی شعر نہیں آتے۔ "اشطانی
نے جو کہو۔ پروفسر مطلقاً کے گھر کر اسس کی طرف دیکھا۔
پروفسر

وہ آگ پٹی پر ہے؟ انہوں نے کہا
"آپ آپ کیا کہتے ہیں؟ میں نے غدار کی صاحب کی طرف
دیکھا۔

"صاف چوری تو م کا ہے۔ غدار بھول نہیں لیا جاسکتا۔
خوری غدار پر تمام سائنس دانوں کی نگرانی کا حکم دینا ہو گا۔
اس کے کوٹھان۔ آپ سائے کی طرح پر ویسیر مطلقاً کے ساتھ
ہیں گے۔ میں ان کے دست میں ہائی ہائی سائنس دانوں کے پیچھے
چھوڑ دینا ہوں۔ وہ یہاں جہاں ہی ہوں گے۔ ان کی نگرانی شروع
ہو جائے گی۔ انہوں نے ہندی ہندی کیا۔

وہ علم ہے۔ میں اس نگرانی کے لوٹ امتحان کرتا ہوں۔
پروفسر مطلقاً پتا ہے

صاف دیکھو کہ غدار۔ ہم یہودی ہیں۔ کوشاں صاحب۔

خاکوئی کی موت جیب و غریب قسم کے جرایموں کے
ذریعے ہوتی ہے۔ یہ جبرائیم اس کے خون میں شامل پائے
جئے ہیں۔
اوہ! ہمارے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

تپ اپنی مادہ کے بیٹے اپنے بیس ماتحت یہاں جرایمیں اور کافر
ماسب کو فکروں سے اوچل دے ہونے دیں۔ جبرائیم کے ہم
سائنس دانوں کی مساند ٹیم صبح سویرے اپنا کام شروع کر دے
گی۔ اور اب میں ہائی مائند اختفیات کروں گا جاکر۔
تو کیا آپ پرہیز جہاں شان کی شگرائی پر کسی کو مقرر نہیں
کریں گے: افغان نے پوچھا۔

آؤ میرے ساتھ۔ اب یہاں تم لوگوں کی ضرورت نہیں:
فخاری ماسب بولے اور ہم ان کے پیچھے تجربہ گاہ سے باہر
آگئے۔ ایک اور نوٹ بک ہم وہیں چھوڑ آئے تھے۔ یا
تو وہ دونوں چیزیں اسس قدر اہم تھیں یا پھر اب ان کی
تفصا کوئی ضرورت نہیں رہی تھی:
ارے! ہپاکم آتے اب کے منہ سے نکلا۔

یہ ارے کہاں سے ٹپک پڑا: میں نے حیران ہو کر کہا۔
ہم خاکوئی کی داکش کو تو بھول ہی گئے۔ پوسٹ مڈ ٹم کی
رپورٹ اب تک تیار ہو چکی ہوگی:

اوہ! ایں۔ آؤ مسدوم کرتے ہیں: فخری ماسب نے
کہا اور پھر متعلقہ حکام کو فون کیا۔ فون دکھ کر وہ ان کی طرف
مڑے اور سرور آواز میں بولے:

اوپر کی منظوری

اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟ غفاری صاحب نے ہم سے پوچھا۔

اب ہم لوگوں کا کیا کام رہ گیا جناب۔ یہ سارا اب آپ کے حوالے ہے۔ ہم بے چارے بھلا اتنے بڑے بڑے سائنس دانوں سے ٹکرنے لگے ہیں۔ آپ جائیں آپ کا کام۔ ان لوگوں کی نگرانی کرایے۔ معائنہ ٹیم سے ہر اشیوں کا سراغ لگوائیے اور جو خدشات اب ہو اسے گرفتار کر لیں۔ میں نے کسی ضرورت بنا کر کہا۔

اچھا ٹھیک ہے۔ تم لوگ اب جا کر آرام کرو۔ اس سلسلے سے بیٹ لوں۔ پھر تم لوگوں کی خدمات کا اعتراف سرکاری طور پر کراؤں گا۔

ہی۔ بھلا اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے شرما کر کہا اور دھمکراتے ہوئے اپنی بیپ کی طرف بڑھے۔ پھر کسی خیال

سے ہلکے اور بولے:

آؤ جیسی۔ تم جہاں کو گئے۔ آثار دوں گا۔

شکر یہ جناب۔ ذرا ہم پیدل مارچ کے موڈ میں ہیں چاندنی رات ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ اس لیے۔ ہم پیدل چلنا پسند کریں گے۔ میں نے کہا۔

اچھا جیسے تمہاری مرضی انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ بلکہ ہی ان کی چپ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

اس کی کیا تک تھی بھلا۔ چند منٹوں میں گھر پہنچ جاتے۔ آفتاب نے برا سامنہ بنایا۔

گھر جا کر کیا کریں گے۔ پوری قوم موت کے دہانے پر ہے۔ اور ہم گھر جا کر سو جائیں۔

یہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اشتیاق حیران ہو کر بولا۔ کیوں۔ کہا کیوں نہیں جاسکتا۔ کیا خبر؟ نوٹ بک کتنے

دنوں بعد یہاں پہنچی ہے۔ ڈاکٹر عاتقان نے کب بھی تھی۔ معلوم ہے ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے جسم میں کسی جگہ شکاف

دے کر دونوں چیزیں اس شکاف میں سی دیں۔ پوسٹ مارٹم کے وقت دونوں چیزیں کسی انسان اور ڈاکٹر کے ہاتھ

لگ گئیں۔ اس نے نوٹ بک کے پچھلے صفحے کی تحریر پڑھ لی اور پھر دونوں چیزیں باری باری غفاری صاحب کو بھیج دیں۔

ایک اور اس زمین روز سائنسی دنیا وادوں کو پروفیسر عاتق
کی نوٹ بک اور بینک کے بارے میں معلوم ہو گیا۔
انہوں نے تحقیقات کیں اور اس ڈاکٹر تک پہنچ گئے۔
جس سے انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ نوٹ بک تو وہ ہند
وہ پستے نیچے چکا ہے۔ بینک البتہ اس نے آج کل میں
نہیں ہے۔ اب وہ لوگ صرف یہی کر سکتے تھے کہ یہاں موجود
اپنے ایکٹوں کو خبردار کر دیں۔ لیکن نوٹ بک کے بارے
میں انہیں خبر اس وقت لگی جب وہ عتاری صاحب تک
پہنچ چکے تھے۔ نوٹ بک کے بعد انہیں اس ڈاکٹر کا خط بھی
آ کر اس نوٹ بک کے بعد ایک بینک بھی انہیں ملے
گی۔ یہی وہ تھی کہ عتاری صاحب اور پروفیسر عتقانی کو
بینک کا بہت انداز تھا۔ اور۔ دشمن ملک کے ایکٹ پوری
طرح پر کس ہو گئے۔ اس سلسلے میں خاکوانی ان کے بہت
کام آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں گے۔

ہم۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اس
وقت گھر جا کر سو جائیں اور صبح پروفیسر عباس شان کے کس
پر کام شروع کر دیں۔ پورے پندرہ ہزار ملیں گے۔ آفتاب
نے جلدی جلدی کیا۔

پندرہ نہیں دو ہزار۔ میرا خیال ہے۔ ان حالات میں ہم

ہم دھک سے رو گئے۔ پروفیسر عتقانی کی تجربہ گاہ سے
اس وقت ہم تقریباً دو سو میٹر دور آچکے تھے، گویا وہاں
موجود حفاظتی عملہ اب ہماری کچھ مدد نہیں کر سکتا تھا۔
آخر چار ونا چار ویلن میں بیٹھ گئے۔ اس وقت ہمیں
معلوم ہوا، ویلن کے اندرونی حصے میں وہی چوڑے چہرے
والے موجود تھے ایسی ہیٹو۔
تو تم زندہ پناہ گئے۔ حیرت ہے کہ اس نے پنکار

کر کہا۔
 "اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ بچانے والی قوت
 اللہ تعالیٰ کی ہے۔ میں نے حیران ہو کر کہا۔
 "نیر۔ اب نہیں بچ سکو گے۔
 "بات بچے سلیم کی؟ آفتاب بولا۔
 "میرا نوم کے فدیے۔ اسحاق بول پڑا۔
 "ہو۔ بہت زبان چل رہی ہے۔ کونکو۔ ذرا پیچھے
 ہی نظر رکھ۔ کیس کوئی آ تو نہیں رہا۔ کیونکہ یہ اتنے شیر
 تو نہیں ہیں۔"

"اچھا۔ تم فکر کرو۔"
 "کیا بیگ پر وہ میرا قتل کیلئے چلے چکی ہے؟"
 "وہ تو تم لوگوں نے چھوڑ کر دی تھی۔ میں نے جلدی
 سے کہا۔
 "ٹوڑ دو۔" وہ نقلی بیگ تھی۔ اگر اصل ہوتی تو تم رام داس
 بڑا لگ کیوں جاتے۔ وہ بھی منہ مٹی میں لے کر۔
 "اچھا بھائی۔ مانے بیٹے ہیں۔ تم نے نقلی بیگ کو کھلا رکھا۔
 اب اس میں بھرا کیا قصہ؟ اسحاق نے گویا لگ آ کر کہا۔
 "وہ اصل بیگ تم نے رام داس بڑا لگ میں پھپھائی تھی۔
 ہم گرنے سے پہلے ہی تم اسے نکال کے ہاتھ میں کامیاب

رہے۔ حالت ظاہر ہے۔ اب وہ پر وہ میرا قتل کیلئے چلے
 ہے۔ ان، لیکن۔ اب وہ کسی کام کی نہیں رہ گئی۔ اشتیاق
 کے منہ سے سوپے بگے بغیر نکل گیا۔ میں نے اسے
 تیز نظروں سے گھورا۔
 "وہ۔ تو نوٹ بک پر مڑ لی گئی۔
 "ان میں نے کھوٹے کھوٹے لہجے میں کہا۔
 "تب تو حالات بہت خطرناک ہیں۔ ہمارے سارے گھر
 کرائے پر پانی نہ پھر جائے۔
 "اس پر وہی قوم کو موت کی نیند سلا کر تمہیں کیا سٹے گا
 میں نے جمل کر کہا۔

"یہ پورا ملک۔" اس نے جلدی سے کہا۔
 "اور اس پر سب ملک میں اکیلے رہ کر کیا کرو گے۔ یہاں
 تو لاشیں سڑ رہی ہوں گی۔ اشتیاق نے جتنا کر کہا۔
 "ایسا نہیں ہو گا۔ جن لوگوں کا یہ منصوبہ ہے۔ انہوں
 نے سب کچھ سوچ رکھا ہے۔ ان کے ملک کی آبادی
 خوفناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ اس حد تک کہ اب ان کے
 ملک میں کھانا کوئی جگہ نہیں رہا۔ اسی لیے یہ منصوبہ بنایا
 گیا ہے کہ توڑ پھوڑ کے بعد وہی آبادی کا صفایا کر دیا جائے

ہوا کہانی۔ کبھی کبھی ہے تمہاری " میں نے جل کر کہا
بچھڑا پتھر اُسکا منہ بنا کر بولا۔

دو دو لوگوں، پیر جعفر اور عساق کا انتہام شاید تم لوگوں کو
معلوم نہیں۔ غداروں کا جو انتہام ہمیشہ ہوتا آ رہا ہے، وہی
تمہارا بھی ہو گا۔ وہ تم لوگوں کو دودھ کی ٹھکی کی طرح نکال
پھینکیں گے۔ بلکہ زندہ جیک نہیں پھوڑیں گے۔ وہ سوچیں گے
جن لوگوں نے کل اپنی قوم سے وفا نہیں کی، آج تمہارے
ساتھ کیا وفا کریں گے۔ تم ان لوگوں کے سامنے باطل
بے بس ہو گے۔ ان کا کچھ بھی بگاڑنے کے قابل نہیں
ہو گے۔

بکو اس مذکورہ اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

بہت اچھا: میں نے بتا کر کہا اور خاموش ہو گیا۔
ان لوگوں کو بھانا، ہمارے بس کی بات تھی بھی نہیں۔ آدھ
گھنٹے کے سفر کے بعد وینز رکتی محسوس ہوئی، پھر دروازہ
کھلا تو ہم نے دیکھا، وین ایک گیارج میں کھڑی تھی۔
چلو۔ نیچے اترو: ڈرائیور بولا۔

ڈرائیور کے ساتھ بھی ایک آدمی موجود تھا، گویا
کُل تین آدمی ہیں یہاں تک لائے تھے۔ مختلف راہداریاں

اور ہوا ہوا، اُس سے لدا پلدا ایک ان
کام آئے۔ وہ اپنی برصغیر آبادی کا ایک بڑا حصہ اس
جگہ میں آباد کر سکیں گے۔ وہی بات لاشوں کی۔ تو
اس کے لیے انہوں نے سرحدوں کے قریب بڑے
بڑے بجلی کے گزر لگا دیے ہیں۔ لاشیں کھنڈوں کے ذریعے
اُٹھا کر ان میں جھونک دی جائیں گی اور وہ جل کر
دھواں بن جائیں گی۔ گویا انسانی دھواں بن جائیں گی۔
وہ انسانی دھواں کیسا ہو گا۔ یہ صرف ہم دیکھ سکیں گے۔
پتھر کتا چلا گیا

لیکن تم لوگ ان جراثیموں سے کس طرح محفوظ رہو سکے
اشفاق نے پوچھا۔

ہم نے پہلے ہی دیکھیں لے لی ہے۔ اس کا انتہام
تو سب سے پہلے کیا ہے۔ دیر بھی اسی لیے لگی ہے۔
اس نے کہا۔

اور غیر ملکی قوم جب یہاں آکر آباد ہو جائے گی تو
پھر تم لوگوں کا یہاں کیا مقام ہو گا۔ کیا مرتبہ ہو گا۔ میں
نے ذہریٹے لہجے میں پوچھا۔

مرتبہ ہی مرتبہ ہو گا۔ ہم لوگ سب سے اونچے عہدوں
پر فائز ہوں گے۔ ملک میں ہماری جگہ ہو گی۔

سے گزارتے ہوئے ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے۔
اندرونی بائیس موجود تھا۔ جس سے ہماری پہچان بھی
حالات ہو چکی تھی۔
بائیس غضب ہو گیا۔ نوٹ بک پر ڈھلی گئی۔ پنشن
چھو کر کہا۔

نہیں! بائیس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔
ان لوگوں کا کہنا یہی ہے بائیس۔ دیے یہ نفع نہیں کر
رہے، انہیں جراثیموں کے بارے میں سب کچھ معلوم
ہو چکا ہے۔

تو کیا ہوا۔ سب سے پہلے یہی لوگ ان جراثیموں کا
شکار ہوں گے۔
آپ نفع کتے ہیں۔ جراثیموں کا سب سے پہلا شکار
ٹاکرانی تھا۔ اشتاق نے مزہ بنایا۔

اں یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر اس سے کوئی فرق نہیں
پڑتا۔ پلو پنشن۔ میری میز کی اوپر والی دراز میں سے چار
یکسپول نکال کر ان چاروں کے مزہ میں ایک ایک ٹھونس
دو۔

اور اگر انہوں نے تھوک دیا بائیس پنشن نے گہرا کر
کہا۔

پنشن نے یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ پنشن نے کہا اور
بیز کی ہراڈ کی طرف بڑھا۔

یہ بھی بتا دوں کر۔ اگر یہ یکسپول تھوک بھی دیں۔
تب بھی ان جراثیموں کے حملے سے محفوظ نہیں رہ سکیں
گے۔

یا اللہ رحم۔ ہمیں ان جراثیموں سے بچا۔ آفتاب بوکھا
کر بولا۔

موت سے پہلے بائیس صاحب۔ کیا آپ ہمیں جراثیموں کا
ذخیرہ نہیں دکھائیں گے؟ میں بول اٹھا۔

تم۔ تم کیا کرو گے دیکھ کر؟
بس۔ شوق ہے۔ آخر اتنے جراثیموں کو آپ نے کہاں رکھا
ہوگا۔ میرے لہجے میں حیرت تھی۔

ابھی بچے ہو۔ کروڑوں جراثیم ایک مربع اینچ جگہ میں
آجاتے ہیں۔ ایک انسان کے لیے صرف چند جراثیم کافی
ہیں۔ میں نے تو کھربوں جراثیم پیدا کر ڈالے ہیں۔
جبکہ اس ملک کی آبادی کروڑوں سے اوپر نہیں۔ خیر۔
تم بھی کیا یاد کرو گے۔ آؤ۔ تمہیں دکھاؤں۔ اس

نے کہا اور پیٹو میز کی دراز کھٹکتے کھٹکتے دھکی دھکی کر
کوئی بات نہیں پیٹو۔ چند منٹ بعد سہی۔
یہی باس۔ ان لوگوں کو دکھانے کی ضرورت ہی کیا ہے
پیٹو نے ایک ساتھی نے کہا۔

جو بھی۔ کوئی بات نہیں۔ بے چارے تو اب ہند
گھڑیوں کے مہمان ہیں۔ ان کی آخری خواہش بکھر ہو۔
اور ان پیٹو۔ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ اب حکام کیا قدم
اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟
جی ہاں۔ آپ انہیں جراثیم دکھا آئیں۔ میں فون کر کے
معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ٹھیک ہے۔
باس میں سے کر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔
دروازہ کھٹنے پر ایک تنگ سا پردہ نظر آیا۔ اس میں سے
گڑبڑتے ہوئے میں نے کہا۔

ایک بات کہوں جناب۔ اجازت ہے؟
ان کو۔

آپ پروفیسر صفائی تو نہیں ہیں؟

بھائی جان۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ باس کی بھائی
تپ دل اٹھا۔

یہ تو کیا میں نے کوئی خطبات کہہ دی ہے
پروفیسر صفائی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ انہیں تو
بہر وقت ہمارے میں چھوڑ کر آئے تھے۔ اور انکل کا شان کو ان
کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔

کیا بات ہوئی۔ پروفیسر صفائی انکل کا شان کو کسی
ساتھی خروپے سے بے ہوش کر کے کسی خفیہ راستے سے باہر
نکل سکتے ہیں۔ اس طرح کہ محافظوں کو کانوں کان خبر نہ
ہو۔ اگر وہ مجرم ہیں تو انہوں نے اس قسم کے انتظامات ضرور
کر رکھے ہوں گے۔ کیوں پروفیسر صاحب؟
جی ہاں ہی کہو۔

اس نے کہا اور پھر ایک لمبے سے کمرے میں داخل
ہوا۔ اس کمرے کی چھاتی پر سیمول تھی، لیکن لہا
اس قدر تھا کہ اس کا دوسرا رخ کاملاً نظر نہیں آ رہا
تھا۔

ان تو پ۔ اتنا لہا کرو۔ آفتاب کے منہ سے نکلا۔

ہم نے دیکھا کمرے کے دیوڑھی نیچے شیشے کا ایک مستطیل
نصب تھا۔ اس مستطیل میں ڈھواں سا بھرا ہوا تھا،
یہ کیا۔ اس مستطیل میں تو ڈھواں بھرا ہوا ہے؟

ہاں۔ تو اسے ڈھواں ہی کہہ سکتے ہو۔ آؤ کمرے کے

بہتر سے بہتر ہو۔ اس نے کہا۔

اس وقت وہ ہمارے ساتھ بائبل تنہا تھا۔ اور ہم
سبح رہے تھے کہ کیوں یہ اچانک اس پر ٹوٹ پڑی۔
لیکن مشکل یہ تھی کہ میں اس کی طاقت کے بارے میں کھانا
کولی ادا نہ کر سکتا تھا۔ اور ہم لڑائی بھڑائی سے گھبراتے
تھے۔ بلکہ اس سانپ میں اناڑی بھی تھی۔ اچانک وہ

بڑا اور بڑا

تم شاپ بھر پر عذریہ کے بارے میں سوچ رہے
ہو۔ ایسی لفظی دکر رہا تھا۔ میں تم جیسے اس لاکھ کے
بچے کوئی ہوں۔ یہ ہے حساب تو ہے کہ بڑے ہوتے ہیں۔
دوسرے بچے پاویں سے لگے گا یا نہ لگیں گے۔
پتا اور اس کے آواز کی باتیں بنا کر دیکھ دیں گے۔

تو پھر دیکھنے کی صورت میں بھی ہونے لگی۔ اگلا آپ کے

عمل بتانا۔

ہمارے ہمسایوں کے جان نکل رہی تھی۔ یہ خیال وہ وہ
کر سہارا لگا کر ٹھوڑی دیر بعد موت کے یکپوٹ ہمارے
منہ میں ٹھونس دیتے ہائیں گے۔ میں نے ہر دم پر وہ
کے بچے گھس رہے تھے۔

انہوں کے وہ سر سے سر پہنچ کر ہم نے دیکھا۔

اس میں سے کچھ دیاں نکل کر پست کی طرف پھرتی ہیں۔
نہیں۔ اور اس جگہ کچھ آلات بھی نصب تھے۔ ان میں

کہ ڈاک بھی تھے۔ اس ملک کے مین درمیان میں واقع
میری تجربہ گاہ۔ اس ملک کے درمیانی تھے میں آباد ہے۔
ہے۔ کیونکہ یہ شہر ملک کے درمیانی تھے میں آباد ہے۔
ہوا کے رنج میں ان آلات سے دیکھ سکتے ہوں۔ یہ اور
بات ہے کہ ان جراثیموں کے پلے ہوا کا رنج کوئی اہمیت
نہیں رکھتا۔ ایک بار انہیں اس سسٹم سے نکال دیا جائے
پھر یہ پورے ملک میں پھیل جائیں گے۔

اسے اتنی ہی ہر اہم اس سسٹم میں ہیں میرے منہ سے

انکھ۔

ان۔ ہمارے اس سسٹم میں دو جوان سال نظر آ رہے ہیں۔
لیکن وہ بالکل بے ہر اہم ہیں۔ یہ غور دہی کے بغیر نظر آ رہی
نہیں لگتی۔ لیکن چونکہ اس پورے سسٹم میں ہر سہ ہفتے
ہیں۔ اس لیے سسٹم بالکل نظر نہیں آ رہا۔ ابھی
ہمسایہ میں تمہیں غور دہی دوں گا۔ تو تم انہیں دیکھ سکو
گے۔

اور یہ جراثیم کب پھوڑنے کا پروگرام ہے۔

موجودہ حالات کے تحت پروگرام میں تبدیلی ضروری ہے۔

اب شاید فوری طور پر عمل کرنا ہو گا۔ تاہم اس کے بدلے
 اوپر کی منگوری ضروری ہے۔ کیونکہ یہ وہ چار ہزار لاکھ لوگ
 کا نہیں کروڑوں کی آبادی کو ختم کرنے کا مسکن ہے۔
 بجلی کے برز باکل بنیاد ہونے ضروری ہیں۔ ورنہ یہاں
 اس قدر بدبو پھیل جائے گی کہ نہ تو آبادی قائم نہیں
 ہو سکے گی۔ یوں تو میں ابھی چار کیلیں گھما دوں تو جبرائیم
 ملک میں پھن شوج ہو جائیں گے۔ اور لوگ آن کی آن
 میں مرنے لگیں گے۔ چند دنوں کے اندر پوری آبادی
 تھس تھس ہو جائے گی۔ لیکن مجھے ہدایت یہی ہیں۔
 کہ اوپر سے جب تک حکم نہ ملے۔ ایسا نہ کیا جائے۔ اب
 آؤ۔ میں تمہیں خوردبین میں سے دکھاؤں۔

وہ ابھی پر پلے سر سے کی طرف لے آیا۔ یہاں سسٹم میں
 ہی ایک ننھی سی خوردبین لگی ہوئی تھی۔ ہاس نے پلے تو خود
 اس میں سے دیکھا، پھر نہیں اسٹار کیا۔ میں نے آنکھیں خوردبین
 سے لگا دیں اور پھر لکھنا کر پیچھے ہٹا۔ منظر بہت دہشت ناک
 تھا۔ وہ جبرائیم اس قدر گہر اور بہت ناک شکل صورت
 کے تھے کہ خدا کی پناہ اور پھر جس اعجاز میں وہ چل رہے تھے۔
 اس سے ہیبت ناک کرنے لگی۔ (اشفاق، اخلاق اور آفتاب بھی
 ایک نثر ڈال کر ہی پیچھے ہٹ گئے۔

بہن۔ کیا خیال ہے؟ ہاس بٹھا۔

خدا کی پناہ۔

آؤ۔ اب چلیں، تمہاری موت کا وقت ہو چکا ہے۔
 یہ کہہ کر وہ لپٹ کر سے باہر نکل گیا۔ ہمارے
 دل بیٹھے گئے۔ جرمست ہم نے حاصل کی تھی۔ وہ بھی
 ختم ہو چکی تھی۔ اب بچنے کی کیا صورت ہو سکتی تھی۔
 ہیں اپنا اتنا فکر نہیں تھا۔ یہ معاملہ تو پوری قوم کا تھا۔ پورے
 ملک میں سے ایک آدمی بھی نہ بچتا۔ اچانک بے ایک خیال

آپ۔ میری ایک بات کا جواب دے سکتے ہیں۔

ان پوچھ۔

یہ کیا ضروری ہے کہ جبرائیم ہمارے ملک تک ہی رہیں گے۔
 کیا یہ پھیل کر اس پاس کے ملکوں تک نہیں پھیلے جائیں گے اور
 اس طرح ہوا دشمن ملک بھی ان کی پیٹ میں نہیں آجائے گا۔
 میں نے پُر زور لپٹے میں کہا۔

ہاس کے منہ سے ایک قہقہہ ابل اٹھا۔ پھر بولا:

”نہایت اعتماد سوال ہے۔ بعض ہم تو جبرائیموں کا توڑ بیٹے
 ہی معلوم کر چکے ہیں۔ اور حفاظتی تدابیر پلے ہی کر لی گئی
 ہیں۔ وہ ست ملکوں کو آگاہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن صرف اوپر کی

تک۔ یعنی صرف چند بڑے بڑے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے۔ اور بچا تو یہ ہے کہ ان جراثیموں کا توڑ معلوم کرنے میں ہی جے اتنی دیر لگ گئی۔ درد جراثیم تو میں نے بہت پیسے پیدا کر دیے تھے۔
اس لیے کہ فارمولا آپ کو بنا بنایا مل گیا تھا۔ اشفاق نے مزہ بہتے لیے میں کہا۔
ان اس میں کوئی شک نہیں۔ اس نے تسلیم کیا۔

اسی وقت ہم اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں پہلے موجود تھے۔ پھر اور اس کے ساتھی اپنی اپنی جگہوں پر نظر آئے۔

کیا معلوم ہوا پھر۔ اس نے چند آواز میں پوچھا۔
تمام سائنس دانوں کی نگرانی شروع کر دی گئی ہے۔
ہاں۔ دوسرے شہروں میں جو سائنس دان ہیں، ان کے لیے بھی دائرہ لیس کر دیے گئے ہیں۔ ابھی تک ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے جو یہ سب کچھ کرنے والا ہے۔

بہت خوب۔ خیر اس سے پہلے کہ وہ ہمارا سفر لگائیں ہم اپنا کام کر لیں گے۔ اب ان لوگوں کو کیپٹول کس

بہت بہتر ہے کہ کرپٹو پھر میز کی دراز کی طرف بڑھا۔
اس سے پہلے اگر آپ ہمیں اپنا چہرہ دکھا دیتے تو بہتر تھا۔ ہم یہ حسرت ہی لیے مر جائیں گے کہ ہمارے آخری کیس کا جرم کون تھا۔
تو یہی تم ابھی تک کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔ اس نے بیان ہو کر پوچھا۔

اندازہ تو خیر ہم نے لگایا ہے۔
پھر بتاؤ۔ دیکھیں تو سہی تمہارا اندازہ کس حد تک درست ہے۔
تو یہی۔ آپ اپنا نام اپنے ان ساتھیوں کے سامنے سننا گوارا کریں گے۔

ہاں۔ اب میں ان لوگوں کے سامنے بھی آجاتا پسند کروں گا۔ ملک کی آبادی کا کیل ختم ہونے والا ہے۔ یہ پوری قوم دھواں بن کر اڑنے والی ہے۔ ہم اس دھواں کا قطرا ایک ساتھ کھڑے ہو کر کریں گے۔ کسی قدر پُر لطف منظر ہو گا۔ جب انسانوں کا دھواں فضا میں اڑے گا۔
آپ۔ آپ بہت جگہ دل میں پرو فیئر عباس شانی میں نے بل بھیج کر کہا۔

جی ہاں۔ کمال ہے۔ تم تو اپنے بھلے پاس ہو۔
اس بار ہمارے کانوں سے پروفیسر عباس شان کی مسلسل
آواز نکلتی اور اس کے ساتھی بھی حیران رہ گئے۔
تت۔ تت تو کیا۔ یہ درست ہے۔ پیٹو بول کھلا کر
بولے۔

ہاں۔ اس نے کہا۔ پیٹو پیٹو۔ اب اپنا کام کرو۔
تاکہ ہم اوپر والوں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے فارغ ہو جائیں۔
لو کے سر۔ اس نے کہا اور کیپول کے اپنے ساتھیوں
کی طرف بڑھا۔ اس نے تین ساتھیوں کو ایک ایک کیپول
دے دیا، ایک خود رکھ لیا۔ پھر بولا۔
دو دو آدمی مل کر انہیں پیچھے گرائیں۔ ہم چاروں ان
کے مز میں کیپول ٹھونس گئے۔
معلوم ہوتا ہے۔ تم لوگ قصابوں کے خاندان سے تعلق
رکھتے ہو۔ اشتیاق کے نغے میں آکر کہا۔

فورا ہی آٹھ آدمی ہماری طرف بڑھے۔ ہم اچھل کر
ادھر اُدھر ہو گئے۔

تم لوگ ہمارے نہیں ہاں سہو گئے۔ پیٹو
فرمایا۔

موت سے بھاگ کر واقعی کوئی کہیں نہیں ہاں سکتا۔

جو ہمارا وقت آچکا ہے تو ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ میں
نے اس لیے میں کہا۔

اب دو دو آدمی ہم میں سے ہر ایک کی طرف بچھے۔
میں نے جھکائی دی اور ان سے بچ کر دوسری طرف نکل گیا۔
ادھر سے اشتیاق چیترا بدل کر آ رہا تھا۔ نتیجہ یہ کہ ہم دونوں
پورے زور سے ٹکرائے۔

سنبھل کر آفتاب نے نعرہ لگایا۔ اسی وقت اس
کی ٹانگ میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی گئی۔ وہ ڈکھڑا گیا۔
اتنے میں اخلاق ڈبکی لگا کر جو مڑا تو گرتے ہوئے آفتاب
سے آ لگا۔ یا تو دونوں گر رہے تھے۔ یا ایک دوسرے
سے ٹکرا کر دونوں کے دونوں گرنے سے بچ گئے اور پیسے
کھڑے نظر آئے۔

یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ کل کے بچے تم سے پکڑے
نہیں جا رہے۔ پیٹو نے بھا کر کہا۔

سات کرنا پیٹو اٹھل۔ ہم کل کے بچے نہیں ہیں۔
کم از کم ہم چاروں کل کے نہیں ہو سکتے۔ میں نے طعنے لگے
میں کہا۔

یوں ہم اندر سے مل چکے تھے۔ موت کا خوف ہمیں رزاق
دے رہا تھا۔ اچانک پیٹو کا ایک ساتھی اخلاق کے پیچھے آ

عمر ساتھ ہی اسس کا ساتھی بڑھا اور دونوں اسے چلائے

بیٹھے۔ ایک تو آگیا قابو۔ پٹو بولا اور کیپول سے
کراٹھوں کی طرف بڑھا۔ میں نے اپنا دل ڈوبتا محسوس
کیا۔

نہیں نہیں۔ غم نہ کرو۔ غم تم لوگوں کو سنسکے
سانس نہیں دے گا۔ میں نے روتی آواز میں کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی مجھے ایک زوردار دھکا لگا۔
میں کئی گز اور تک ہلکھڑاتا پڑ گیا۔ اور ساتھ ہی آلتاب

کو بھی لے بیٹھا۔ وہ بھی میری پیٹھ میں آگیا۔ دوسرے
ہی لے وہ اور میں چار آدمیوں کے منہ میں تڑپ رہے

تھے۔ اب صرف اشتقاق آزاد رہ گیا تھا۔ میں نے اسس کی
آنکھوں میں حسرت اور نا اُمیدی دیکھی۔ دل کٹ کر وہ

گیا۔ اس نے اتنا پیر ڈھیلے پھوڑ دیے اور بولا
اب میری بد و بھد گل کام کی۔ تمہارے بغیر جی کر کیا

کروں گا۔
فورا ہی اسس پر قابو پا لیا گیا۔ اب پٹو اور اس

کے تین ساتھی آگے بڑھے۔ انہوں نے ایک ڈانٹ سے دونوں
کا دل کو دبا کر مزاحمت اور کیپول اندر ٹھونس دیے۔ پھر مز

یہی کر دیا۔ ان کیپول کو پٹو خرایا
پہا ہوا۔ ان کیپول سے کیپول نور احمد گسل جائیں

انکے دیکرو۔ منہ کے لعاب سے کیپول نور احمد گسل جائیں
پہا ہوں یا نہ پہا ہوں۔ ہر وہ لیسر انڈیا۔ پھر بولا

اب تم آدم منٹ تک انہیں پکڑو۔ ان کے جسموں
میں ہر جہری شروع ہونے کی دیر ہے۔ بس پھر انہیں فوراً باہر

ٹھیک کیا۔ پولیس نور ہی ان کی لاشوں کو ان کے گھر پہنچاتی پھرے
کے۔

او کے سر پر پٹو نے کہا۔
آدم منٹ تک وہ ہیں دبا رہے۔ پھر اچانک میرے

ہاتھ کے ایک ہر جہری لی۔
باس اس کے بدن میں ہر جہری پھیا ہو گئی ہے۔

بس ٹھیک ہے۔ اسے چھوڑ دو۔
یہ بھی ہر جہری لے رہے ہیں۔ ایک بولا

ٹھیک ہے۔ اب انہیں باہر پھینک دو۔
اس کے غم دیا اور انہیں کندھوں پر اٹھایا جانے لگا۔

بھر جہریاں

آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ چاند کی شاید آخری
سورہ نہیں تھیں، اس لیے وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سردی کی
آہ آہ تھی۔ رات کو ٹھنکی زیادہ ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی
کہ ٹھنڈی سڑک ہمارے جسموں کو بہت بری محسوس ہوئی،
”یاد کالے خان۔ مکھن۔ ساقی۔ یہ کس قسم کی موت
ہے۔ تمام احساسات موجود ہیں۔ میں تو خود کو بالکل زندہ محسوس
کر رہا ہوں۔ آخر میں گلگٹ اٹھا۔

”یہ بہت ہی پرسکون موت ہے۔ نیک لوگ مرنے کے
بعد پرسکون ہی رہتے ہیں، فرشتے انہیں تنگ نہیں کرتے۔ اور
کوئی بات نہیں، اشتاق نے جلدی جلدی کہا۔

”لیکن ہم سڑک پر کیوں بیٹھے ہیں۔ ہمیں تو قبروں میں
ہونا چاہیے تھا۔“ اخلاق کے لہجے میں حیرت تھی۔

”خدا کی مرضی ہے۔ وہ ہمیں جہاں چاہے رکھ سکتا ہے۔“

آفتاب نے سر ہاتھ آہ بھری۔
اور میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ہم واقعی سڑک پر بیٹھے
تھے۔ سڑک دور دور تک، شیفان تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا
تو کیا سناٹا ہے،

”جہاں تک مجھے یاد ہے۔ کیپول ہمارے مزے میں محسوس
ہوئے گئے تھے۔ اس کے بعد جب کچھ نہ ہوا تو میں نے
جان بوجھ کر ایک جہر جہری لی تھی۔“

”ارے۔ تو آپ نے بھی جان بوجھ کر جہر جہری لی تھی؟
اخلاق نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں۔ تو کیا تم نے بھی۔“ میں حیران رہ گیا۔

”ہاں۔ جب میں نے سنا۔ آپ نے جہر جہری لی
ہے۔ تو میں بھی جہر جہری لیے، بغیر نہ رہ سکا۔ حالانکہ مجھے
نہیں معلوم تھا۔ جہر جہری لی کیسے جاتی ہے۔“ اخلاق بول
اور مجھے ہنسی آگئی۔

”اور اسی طرح میں نے بھی جہر جہری لی سٹی، اشتاق
نے کہا۔ آفتاب کچھ نہ بولا تو مجھ سے رہا نہ گیا،

”تو کیا آفتاب۔ تم نے نہیں لی؟“

”پہلے ہی جہر جہریوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ اس

وہم انہ کو کھڑے ہو گئے۔ میں نے سڑک پر
زبان گھمائی تو کپہول کا کہیں پتا نہیں تھا۔ گریا۔ دھڑک

کمال ہے۔ ہم کپہول کا کہیں زندہ ہیں۔ یہ کہیں
قلم کے جراثیم تھے۔
شاید نقل تھے۔ آج کل تو سب تک نقل بن جاتے
ہیں۔ اشفاق بولا۔

میں تو یہ جانتا ہوں کہ خدا کو ہماری زندگی منظور
تھی۔ اس لیے ان جراثیموں نے کچھ اثر نہیں کیا۔
تب تو ہمیں قدرت نے ایک شاندار موقع دیا ہے
میں فوری طور پر بخاری صاحب کو اطلاع دینی چاہیے۔
مل۔ لیکن۔ ہم۔ ہم۔ ہمارے کہاں ہیں۔ شہر کے کسی
سے ہیں ہیں! آفتاب نے گہرا کر کہا۔

دو گن ہیں بے کر شہر کے مغربی حصے میں گئی تھی۔
لیکن اس وقت نہ جانے ہمیں کس حصے میں پھینکا گیا ہے۔
اب نہ جانے شہر شہر کے اس طرف ہے یا اس طرف؟
تب۔ ہم کیا کریں۔ فرض کیا ہم شہر سے باہر کا رخ
کر بیٹھتے ہیں تو ساری محنت ضائع جائے گی اور وقت الگ
بات سے نکل جائے گا۔ پروفیسر جاسس شان کو ہماری

بات کا پتہ ہے۔ اس لیے وہ فوری طور پر جراثیم

ہم نے ان کو یاد کر کے ایک سوٹ میں دوڑنے کے سوا
بیا کر سکتے ہیں۔ اشفاق بولا۔

ٹھیک ہے تو پھر تو۔ پچھلے خدا کو یاد کریں۔ میں
نے کہا اور ہم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے، میرے لب
ہنے لگے۔

اے رب کریم۔ یہ ملک تیرے تمام یواؤں کا ملک ہے۔
تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والوں کا ملک
ہے۔ اس پوری قوم کو اسلام کے دشمن موت کی نیند سلا
دینا چاہتے ہیں۔ ہمارا رخ شہر کی طرف کر دے مالک،
ہمارے ہم اس ملک اور قوم کے کام آسکیں۔ تیرے
تمام یواؤں کو بچا سکیں۔ آمین۔

یہ کہتے ہی میں نے ایک طرف کو دوڑ لگا دی۔

تینوں نے میرا ساتھ دیا۔ اور پھر اشفاق لمبے قد کی بنا پر
مجھ سے بہت آگے نکل گیا۔ میں نے پتلا کر کہا:

اشفاق جس قدر تیز دوڑ سکتے ہو دوڑو۔ کوئی ٹھیکسی
مل جائے تو ہمارا اشتہار نہ کرنا، بس بخاری صاحب کے
ہاں پہنچ جانا۔ کسی اور سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔

یہ تو کسی اور کو بات سمجھانے میں بہت دقت لگ جائے گی۔ میں نے بھاگتے بھاگتے اسے ہدایت دیں۔
بہت اچھا بھائی جان۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں آج اس قدر تیز دوڑوں گا کہ زندگی میں کبھی نہیں دوڑا ہوں گا۔ اشتقاق نے جلد آواز میں کہا۔

ہم بھی سر پر پیر رکھ کر دوڑ رہے تھے، لیکن اشتقاق تو گویا ہوا میں اڑ رہا تھا۔ آخر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آدھ گھنٹے تک مسلسل دوڑتے رہنے کے بعد شہری آبادی کے آثار نظر آنے لگے اور ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں غلط سمت میں دوڑنے سے باز رکھا۔ پھر جو نہی ایک نیکی نظر آئی۔ ہم نے اسے راستہ کا اشارہ دے دیا۔ ڈسے بھی۔ کہ کہیں یہ بھی بائس کے کسی آدمی کی نہ ہو۔ لیکن کیا کر سکتے تھے۔ وقت بہت نامزدگ تھا۔ اور اشتقاق کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں تک پہنچا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے غفاری صاحب کا پتا بتا دیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ جب ہم غفاری صاحب کی کوٹھی کے سامنے پہنچے تو وہاں دن کا سماں تھا۔ دھڑی کی جھپکیں کی جھپکیں تیار کھڑی تھیں۔ پھر ہمارے دیکھتے

دیکھتے اشتقاق غفاری صاحب کے ساتھ باہر نکلا۔

آہا! ایسے۔ یہ لوگ بھی آگئے۔
پلو یہ اچھا ہوا۔ شوکی۔ اشتقاق نے جو کچھ بتایا ہے بالکل درست ہے نا۔
جی ہاں۔ سو فیصد۔
تو پھر کیا چلیں؟

ایک بات ذہن نشین کر لیں۔ پروفیسر عباس شان کو اس قدر خاموشی سے گرفتار کرنا ہے کہ خود اسے کانوں کاں خبر نہ لگے۔ گھنٹی بجا کر اگر اسے جاننے کی کوشش کی گئی تو کام خراب ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ وہ باہر نکلنے سے پہلے اوپر سے سب کچھ دیکھ لے۔ اتنا بچے یقین ہے کہ اس کی تجربہ گاہ سے کوئی خفیہ راستہ اس تمام تک ضرور جاتا ہے۔ جہاں ہمیں لے جایا گیا تھا۔ اب اگر اس نے ہمارے انتظامات بحال نہ لیے تو وہ سیدھا جسٹس ٹیم والی لیبارٹری میں پہنچ جائے گا۔ اور ایک بار وہ وہاں پہنچ گیا۔ پھر اسے جراثیم چھوڑنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔

ہوں۔ تم ٹھیک کہتے ہو شوکی۔ اسی لیے میں نے

پروفیسر آفیسر کی بیٹھ بھاڑ اکٹھی نہیں کی۔ بس مٹری کے
جوان طلب یکے ہیں۔ اب جو تم کہو۔ وہ کریں۔
"تو پھر میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ایسی میٹر
ساتھ لے چلیں جن کی مدد سے ہم پروفیسر کی تجربہ گاہ
کے اندر اتر سکیں۔ ہم اسے سوتے میں گھیر لیں۔ تاکہ کوئی
خطہ سول لینے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔"
"ترکیب اچھی ہے۔ میٹریوں کا انتظام ابھی چند منٹ
میں ہو جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ایک مٹری آفیسر کی طرف مڑے۔ اور
اسے ہدایات دے کر پھر ہماری طرف آگئے۔
"اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ تم لوگوں نے ایک عظیم الشان
کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں تو پروفیسر عباس شان کے
بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہاں پروفیسر عقلانی
پر مجھے ضرور شک تھا۔"

"کارنامہ ہم نے نہیں بنایا۔ خود مجرموں نے انجام
دیا ہے۔ اگر وہ ہمیں پروفیسر عقلانی کی تجربہ گاہ کے پاس
سے پکڑ کر جراثیموں والی لیبارٹری تک نہ لے جاتے تو
ہم ابھی تک ٹماک ٹوئیاں مار رہے تھے اور نہ جانے کب
تک مارتے رہتے۔ پھر خدا جانے کیا ہو جاتا۔"

اور سب سے بڑی حیرت تو یہ ہے کہ ان کیپٹن
بھاراکچھ بھی نہیں بگھاڑا۔ اخلاق بولا۔
"یہ بات تو میری بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ ہو سکتا
ہے۔ ہمیں غلط کیپسول دے دیے گئے ہوں۔"
"ہاں، یہی کہا جاسکتا ہے۔"

میٹریوں کا انتظام ہونے کے بعد پروفیسر عباس
شان کی تجربہ گاہ کی طرف روانگی ہوئی۔ ایسے میں مجھے
ایک اور خیال آیا۔

"جناب! میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے
غفاری صاحب سے کہا۔ وہ ہمارے ساتھ ہی موجود تھے۔
ضرور کہو۔"

"میں چاہیے کہ پروفیسر کے کمرے میں پہنچ کر انہیں نہ
بگھائیں۔ بس ان کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جائیں اور
خود اس خفیہ راستے کی تلاش شروع کر دیں۔ تاکہ جراثیموں
والی لیبارٹری میں پہنچ جائیں۔ کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے
کہ پروفیسر جاگتے ہی کوئی ٹین دبا دے اور لیبارٹری میں
اس کے ماتحت خیردار ہو جائیں۔ اس صورت
میں ہماری ساری احتیاطیں دھری کی دھری رو جائیں
گی۔"

ترکیب تو یہ بھی اچھی ہے۔ ہم یہی کریں گے، لیکن کیا ہم وہ خفیہ راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہمیں صرف اس کمرے کے بارے میں علم ہے جس میں وہ کئی کئی روز کے لیے بند ہو جاتا ہے، اس کی لڑکی کا بیان ہے اور پتہ تو یہ ہے کہ اگر وہ لڑکی ہمیں اپنے باپ کے بارے میں کچھ بتاتی تو ہم کبھی بھی یہ اندازہ نہ لگا پاتے کہ مجرم دراصل کون ہے؟

تجربہ گاہ سے کافی فاصلے پر ہی گاڑیاں روک لی گئیں اور یہاں سے یہ قافلہ پیدل روانہ ہوا۔ آواز پیدا کیے بغیر سیڑھیاں دیواروں سے لگا دی گئیں اور اس طرح ہم اندر داخل ہوئے۔ ہم چادروں کے علاوہ ہر شخص کے ہاتھ میں پستول موجود تھا۔ ہمارے ہاتھوں میں اس لیے نہیں تھے کہ ہمارا پستولوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ ہمدیفیر صاحب ایک کمرے میں گہری نیند سوتے نظر آئے۔ شاید وہ ہمیں پشکووانے کے بعد سیدھے یہیں آگئے تھے اور اگر سو گئے تھے۔ دوسرے کمرے میں ان کی لڑکی سو رہی تھی۔ ہمدیفیر کو چادروں طرف سے گہر لپا گیا۔ عسری کے

بس جوان اس کے بستر کے گرد پستول لے کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ وہ ذرا بھی حرکت کرے تو بیک وقت دس گولیاں اس کا جسم چلنی کر دیں۔ ایک عسری والا اس کی لڑکی پر بھی مقرر کر دیا گیا، اگر وہ لڑکی کی طرف سے کسی گڑبڑ کا امکان نہیں تھا۔ یہ صرف احتیاط کے طور پر کیا گیا۔ اب ہم اس دروازے کی طرف بڑھے جس کے کمرے میں ہمدیفیر میک کا جائزہ لینے گیا تھا۔ دروازہ کھولنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اندر کا منظر ایک تجربہ گاہ کا ہی نظر تھا۔ لیکن یہاں اسس کی ییادری کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

ہمیں خفیہ راستے تلاش کرنے کا کوئی تجربہ نہیں۔ اب کیا کریں؟ میں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

فکر نہ کریں۔ میں ہر قسم کے ماہرین ساتھ لایا ہوں۔ بس ایک طرف کھڑے ہو کر دیکھتے رہیں، اگر یہاں کوئی خفیہ دروازہ یا راستہ موجود ہے تو وہ چھپا نہیں رہے گا۔

غفاری صاحب کے ان الفاظ کے ساتھ ہی چار ماہرین عجیب و غریب آلات لیے آگے بڑھے اور تجربہ گاہ کے ایک ایک اہم کمرے کا جائزہ لینے لگے۔ آخر ان میں سے ایک بولا: اس کمرے میں کوئی خفیہ دروازہ ضرور موجود ہے اور

وہ مانتے والی رواد میں ہو سکتا ہے۔
بیکر نہ کھے تو ایک۔

اب ہم میں کام شروع کرتے ہیں۔

وہ ایک بار پھر معروف ہو گئے۔ اور آخر انہوں نے
آتش دہن کے اوپر بنے میٹھ کے اسی کو پڑھ کر رکھ دیا۔
فراہی ایک بچی سی آواز پیدا ہوئی اور وہ دوا لگ گئی۔
پڑھیاں بچے جادو سی تھیں۔ ہم پر جوش طاری ہو گیا۔
جدا جدا بچے اترے۔ آخری بیڑی پر پہنچ کر معلوم ہوا
ایک سرنگ میں کمرے ہیں۔ سرنگ صرف اتنی چوڑی تھی کہ
ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔ چنانچہ ہم ایک قافی
میں پہنچے۔ دل دھک دھک کر رہے تھے۔ ہم کامیابی
کے بہت نزدیک تھے۔ لیکن ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔
سرنگ کا دروازہ پندرہ منٹ کا ثابت ہوا۔ حیرت ہو رہی
تھی دیکھ کر کہ اتنی لمبی سرنگ نہیپ چپاتے کس طرح تیار
کر لی گئی۔ شاید یہ کام راتوں کو کیا گیا تھا۔ آخر
دوسرا دروازہ نظر آیا۔ اس میں عام سی چمکنی لگی تھی۔
اسے گرا کر ہم دوسری طرف پہنچے۔ ہم نے خود کو ایک
چھوٹے سے کمرے میں پایا جس میں روزمرہ ضرورت
لکھ چھڑی موجود تھیں۔ اس کمرے سے گزرا کر

ہم باہر نکلے تو دروازہ نظر آیا۔ یہ دروازہ جانا پہنچا لگا۔
اب میں آگے بڑھا۔ بچے کمرے میں داخل ہونے کے
ایک کمرے میں سے گزرتا پڑتا تھا۔ اس کمرے
میں پتھر اور اس کے ساتھی سو رہے تھے۔ انہیں بھی
حیرت ہو گیا۔ بیکر اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ اب میں
پھر آگے بڑھا۔ لیوٹرے کمرے کے دروازے پر ایک
بیب طرح کا تار لگا ہوا تھا۔

اس کا مطلب ہے۔ سسٹر اب کھڑے ہے۔
لیکن انہیں جھگڑے سے پتے ہیں ان لوگوں کی کھانسی سے
یعنی چاہیے۔ شاید ان میں سے کسی کے پاس اس تارے
کی پہچان موجود ہو۔ میں نے تجویز پیش کی۔
ٹھیک ہے۔

سرتی حالت میں ہی ان کی کھانسی لگ گئی۔ سسٹر
پہلی کسی کے پاس سے نہ نکلے۔ اب میں نے پتھر کو کان
سے پکڑ کر کھینچا۔ وہ ہڑبڑا کر آٹھ بیٹھا اور پھر ہم پر تھر
پڑتے ہی سکڑنے لگا۔

ہم بہت حیران ہوئے۔ اس کی سسٹر ابھی اس وقت
ہمارے لیے دنیا کی جیب ترین چیز سے بھی زیادہ عجیب
تھی۔ ہمارا تو خیال تھا کہ وہ ہمیں دیکھ کر آچھل پڑے

اس کی ہند اسرار سکراہٹ کو جیب و غریب انداز
میں دیکھتے ہوئے۔ اشتاق، الحلاق اور آفتاب نے
اس کے باقی ساتھیوں کو بھی بلگا دیا۔ وہ بھی دیکھ
کر باہل اس انداز میں اچھے جس انداز میں کہ نہیں پڑ
کے اچھے کی آید تھی۔
"اچیں۔ یہ کیا۔ بہسو۔ بہوت۔" ان میں سے کئی

ہوئے۔
"تم غشی سے بھی بہت کہو۔ ہم ہذا شیں مائیں
لے۔ آفتاب نے غشی بہت سے کہا۔
"ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟"
"بہوتوں کو دیکھتے سس اور دیکھ رہے ہو۔" آفتاب

آفتاب۔ یہ تم نے کیا شروع کر دیا۔ میں نے اسے
اٹا۔ نظاری صاحب کے اشارے پر ان سب کو جکڑ دیا
گیا۔

"اب ہم واپس جاتے ہیں۔ پھر فیروز صاحب سے بھی دو
دو باتیں کرنا ہیں۔" نظاری صاحب نے غازی کے ان جرائوں
سے کہا۔ جھٹوں نے ہنسا اور اسس کے ساتھیوں کو قابو کیا

ٹیک ہے۔ آپ ان کی طرف سے بے فکر رہیں۔

ایک مٹری والا بولا۔
"سٹر پٹو۔ سٹنڈر والے کمرے کی چابی کس

کے پاس ہے؟
"پاس کے پاس؟"

"ٹیک ہے۔ اگر کوئی گز بڑ ہو جائے۔ اور پروفیسر
تیس حکم دے کہ سٹنڈر میں سے جراثیموں کو چھوڑ دو
تو کیا کرو گے؟"

"کہہ بھی نہیں۔ یہ کام صرف پاس ہی کر سکتے
ہیں۔"

"ہاں بات ہے؟"

"اں۔ باہل پٹی: اس نے کہا۔

"تم ہمیں دیکھ کر حیرت یا خوف سے اچھے کیوں
نہیں۔ مسکرائے کیوں۔ وہ بھی بہت جیب انداز
میں۔"

"اس کی ایک خاص دم ہے۔ پھر بتاؤں گا: پاس
نے کہا۔"

اور ہم ابھی صوفی کرتے ہوئے واپس مڑے۔ وقت ضائع
نہیں کر سکتے تھے۔ اب سب سے پہلے پروفیسر کو گرفتار کر

مزدوری تھا۔ باقی کام یا باتیں تو بعد میں بھی ہو سکتی تھیں۔

آخر واپس تجربہ گاہ میں داخل ہوئے۔ پروفیسر اور اس کی بیٹی جوں کے توں سو رہے تھے۔ غفاری صاحب کے اشارے پر ایک مٹری مین نے پروفیسر کا کمرہ ہانڈ کر دیا۔ وہ پہلے تو کھسکیا، پھر جب کندھا بڑھا جاتا رہا تو پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور بولا:

”وال۔۔۔ تمہیں کتنی مرتبہ کہا ہے۔ مجھے اتنے صبر سے دیکھنا کرو۔ مگر تم ہو کر۔“

اس کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اس کی نظریں مٹری کے جوازوں سے ٹکرائیں تھیں۔ اس نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔ اور جو نہی ہم نظر پڑی۔ وہ بستر سے اس طرح اچھلا جیسے کسی سانپ نے کاٹ کھایا ہو۔ آنکھیں خون اور دہشت سے پھیل گئیں۔ پھر وہ خواب کی حالت میں بڑ بڑایا:

”نہیں نہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ شش۔ شش۔“

شاید۔ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ شوکی برادران تو مر گئے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے انہیں جراثیموں والے کیپسول کھواتے تھے۔ اور ان کیپسولوں کو کھا کر کوئی

زندہ نہیں بچ سکتا۔“

”یہی۔۔۔ وہ خدا۔ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ سب کچھ کر سکتا ہے۔ میں نے اوپر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔“

”مم۔۔۔ میں۔ شاید حیرت سے مر جاؤں۔ وہ بگایا۔“

”تمہارے لیے بستر بھی یہی ہے۔ مرنا تو تمہیں ویسے بھی ہے۔ حیرت سے مرنا۔ ذرا پرسکون مرنا ہو گا۔ آفتاب شام کو آواز میں بولا۔“

”آخر۔۔۔ یہ کس طرح ہوا؟ اس نے کہا۔“

”پتا نہیں۔ ہمیں تو بس اتنا یاد ہے کہ کیپسول ہمارے منہ میں ٹھونس دیے گئے تھے اور پھر شاید ہمیں سڑک پر لے جا کر پھینک دیا گیا تھا۔“ میں نے کہا۔

”ان خدا۔۔۔ تہ۔ تو کیا۔ تو کیا؟ مم۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ پپ۔ پپ۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پروفیسر صاحب۔ کسے زندہ نہیں چھوڑیں گے آپ؟ میں نے گھبرا کر کہا۔“

”جہائی جان۔ اب آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ شخص اب کسی کو زندہ چھوڑنے کے قابل ہے۔ نہ مارنے کے آفتاب نے گویا مجھے یاد دلایا۔“

”او ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ آفتاب تمہارا شکر ہے۔
میں تو بھول ہی گیا تھا۔ میں نے فوراً کہا۔
”تمہیں۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ہاں۔ اور تم
لوگ۔ تم لوگ مجھے کسی صورت بھی گرفتار نہیں کر سکو گے۔
اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی تجربہ گاہ میں گھپ
اندھیرا ہو گیا۔

بلاوا

مٹری کے جوانوں نے ایک ساتھ فائر کیے ، لیکن
بواب میں کوئی چیخ سنائی نہ دی۔ انہوں نے جلدی
جلدی جیسوں سے مار چیں نکالیں۔ ان کی روشنیاں ادھر ادھر
پہنچنے لگیں ، لیکن پروفیسر کمرے میں نہیں تھا۔ البتہ تجربہ گاہ
والا دروازہ کھلا تھا اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ
غیر دروازہ کھول کر سرنگ میں چلا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر آفتاب
کے منہ سے بے ساختہ انداز میں نکلا :

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔ اگر ہم سنڈر والی لیبارٹری
میں پہلے ہی حفاظتی اقدام نہ کر آتے تو مارے گئے
تھے بے موت۔“

”ہاں ! شوکی کا یہ مشورہ بہت مفید ثابت ہوا۔ غفاری
صاحب خوش ہو کر بولے۔

اور پھر سب اندر پکے۔ بس پروفیسر کی لڑکی کے سر

پہر ایک مٹری مین پھوڑ دیا گیا۔ سرننگ کا دروازہ ایک بار
پھر کھول دیا گیا۔ جوشی ہمارے قدم سرننگ کی زمین سے
لگے۔ گولیوں کی مڑاڑ سنائی دی۔

ادھر۔ شاید پروفیسر فائرنگ کر رہا ہے۔ وہ پاگل ہو
گیا ہے۔ غفاری صاحب بولے۔

وہ کب تک گولیاں چلائے گا۔ آخر اس کی
گولیاں ختم ہو جائیں گی۔ اس سرننگ میں سے وہ فرار تو
ہونے سے رہا۔ اشتاق بولا۔

ہوں۔ ٹھیک ہے۔ لیکن جوانی کا زروائی تو کرنی

ہی چاہیے۔

اسی وقت دوسری طرف سے بھی گولیاں پھٹنے کی آواز
سنائی دی۔ گویا یہاں دوسری میں موجود مٹری کے جوان جوانی
فائرنگ شروع کر چکے تھے۔

اب ادھر سے بھی ایک بارٹھ ماری جائے۔ غفاری

صاحب بولے۔

لیکن جناب۔ خیال رہے۔ جو مڑا محبوس کو
زندہ پکڑنے میں آتا ہے۔ مردہ گرفتار کرنے میں نہیں
آتا۔ اس طرح بعض باتیں ہمیشہ کے لیے راز رہ جاتی ہیں۔
میں نے پریشان ہو کر کہا۔

لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں؟

آپ صرف ہوائی فائر کراتے رہیں؟

ادھر سے تو خیر۔ ہوائی فائر ہوتے رہیں گے۔

ہم یہاں دوسری میں موجود اپنے ساتھیوں کو کس طرح یہ ہدایت
دے سکتے ہیں؟

ہوں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر جو قدرت کو منظور ہے۔

پندرہ منٹ تک فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر

پروفیسر دھماکا

بلی کرو کم بخت۔ میرے پاس گولیاں ختم ہو گئی

ہیں۔

یہ پال بھی ہو سکتی ہے۔ میں بڑ بڑایا۔

اپنے ہاتھ پور اٹھا کر تجربہ گاہ کی طرف آؤ۔ غفاری

صاحب نے جند آواز میں کہا۔

میں آ رہا ہوں۔ اب کوئی گولی نہ چلائے۔

جب تک تم گولی نہیں چلاؤ گے۔ اس وقت تک

ہماری طرف سے بھی گولی نہیں چلائی جائے گی۔

غفاری صاحب بولے۔

میں کہہ چکا ہوں۔ میرے پاس گولیاں ختم ہو گئی ہیں۔

اس کی آواز سنائی دی۔

ابہر ہی ہیں بھلے۔ پھر یہ لوگ مرے کیوں نہیں؟ اس
کے لیے میں واقعی بلا کی حیرت تھی۔

میں بتاؤں پروفیسر صاحب۔ آفتاب نے شوخ
آواز میں کہا۔

اے۔ ضرور بتاؤ۔ اس نے بے چین ہو کر کہا۔

بات صرف یہ ہے کہ ابھی بھاری سوت نہیں آئی
تھی۔ میں اس لیے نہیں مرے۔

لاکے۔ مجھ سے ملحق نہ کرو۔ خدا کے لیے بتاؤ۔
کیس میں حیرت کی زیادتی سے نہ مر جاؤں۔

اگر خدا کے لیے پوچھتے ہو تو بات یہ ہے کہ بھی خود
میں معلوم نہیں کہ ہم مرے کیوں نہیں۔ آفتاب بولا۔

دیئے پروفیسر صاحب۔ حیرت تو ہمیں آپ پر بھی ہے۔
اشفاق نے کچھ سوچ کر کہا۔

کس بات پر؟ اس نے جلدی سے کہا۔

اس پر کہ ہم آپ کو وہ بینک دکھانے گئے تھے۔

آپ نے اسے دیکھا۔ تجربہ گاہ میں چمک بھی کیا۔ پھر
میں واپس دے دی۔ واپس دینے کے بعد اسے
غریب نے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ زبردستی حاصل کرنے
کی کوشش بھی کر گزرے۔ آخر کیوں۔

سرنگ میں قدموں کی آواز گونج اٹھی۔
آپ لوگ پوری طرح ہرکس رہیں۔ غفاری صاحب نے

فلزی کے جواہر سے کہا۔
نظر نہ کریں۔ اس سے پہلے کہ وہ گھڑ کرے۔

پوری گریں اس کے ہم کو چاٹ جائیں گی۔
پھر سے دل دھک دھک کرے گئے۔ آخری وقت

میں ہی پروفیسر کوئی چال چل سکتا تھا۔ پھر وہ سامنے
آگیا۔ اس کے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھے ہوئے

تھے۔ پھر سے پروفیسر پیل گئی تھی۔ آنکھیں اندر کو دھنسی
ہوتی محسوس ہوئیں۔ نزدیک آنے پر اس کے جھکے جھکے

ہجے میں کہا۔
میں مار گیا ہوں۔ یہ جنگ میں چار روکوں سے مار

گیا۔ اس نے حیرت زدہ ہجے میں کہا۔
کوئی بات نہیں پروفیسر صاحب۔ حوصلہ نہ ڈریے۔ اہل

ہیروز تو حوصلہ ہے۔ آفتاب شریہ ہجے میں بولا۔
اور زندگی کی سب سے بڑی حیرت مجھے اس بات

پر ہے کہ یہ لوگ زندہ کس طرح بچ گئے۔ کیپول ان کے
منہ میں ٹھونس دیے گئے تھے۔ اور آدھ منٹ تک پٹو

اور اس کے ساتھی ان لوگوں کو دبائے رہے تھے۔ کیپول

جب تم لوگ میرے پاس بینک لے کر آئے تھے۔
اس وقت میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ دوسری
چیز دراصل یہ بینک ہے۔ اس وقت تک ہمیں صرف
یہ معلوم تھا کہ ڈسٹ بینک کے بعد غفاری صاحب کو ایک
اور چیز بھی جا رہی ہے۔ ابھی تک اس چیز کا نام
میں معلوم ہو سکا تھا۔ پھر جب میں بینک کا جائزہ لے کر
باہر نکلا۔ اور بینک تمہارے حوالے کر دی۔ تو میں اس
وقت مجھے فون موصول ہوا تھا اور اس فون کے ذریعے مجھے
یہ اطلاع دی گئی تھی کہ وہ چیز دراصل ایک بینک ہے۔
اور یہ فون اوپر والوں نے کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں
نے پہلے تو بینک کو خریدنے کی پیشکش کی۔ پھر اسے
زبردستی حاصل کرنے کی۔ لیکن میری اپنی بیٹی نے کام خراب
کر دیا۔ دراصل وہ ڈر آتی تھی۔ کہیں میں تم لوگوں کو غصے
میں آکر جان سے نہ مار دوں اور خود پھانسی پڑ۔ پھر
جاؤں۔ اسے مجھ سے بہت محبت ہے۔ یہاں تک
کہ اگر پردیسی خاموش ہو گیا۔ اسی وقت دوسری طرف سے
ایک مٹری آفیسر نے پیچ کر پوچھا:

”کیا ادھر سب خیریت ہے سر؟“

”ہاں۔ مجرم کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ لیکن لیڈر ٹری کی

حفاظت پہلے کی نسبت زیادہ ہوشیاری سے کرنے کی
ضرورت ہے۔ غیر ملکی طاقت کو اگر پردیسی کی گرفتاری
کی سن گن گن گئی تو وہ اس عمارت کو ہم سے اڑانے
کی کوشش کرے گی۔“

”آپ فکر نہ کریں۔ البتہ حفاظت کے لیے مٹری کا پورا
ایک دستہ اور بھیج دیں۔“

”یہ کام میں ابھی کیسے دیتا ہوں۔“

ہم پردیسی کو ساتھ لے کر اوپر آئے۔ اس کے
ہتھل پر پہلے ہی قبضہ کیا جا چکا تھا۔ اس میں واقعی
کریاں ختم ہو چکی تھیں۔ دوسری طرف سے پٹو اور اس
کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر کے لے آیا گیا۔ غفاری صاحب
نے ادھر ادھر کچھ فون کیے اور پھر ہماری طرف مڑے:

”میرا خیال ہے۔ تم لوگ اب تو اپنے گھر جا کر آرام
لے کر پسند کر دو گے۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“ میں مسکرایا۔

”او تو پھر چلیں۔“

ہم کمرے سے نکلے ہی تھے کہ ٹھٹھک کر ٹرک گئے۔

ہمارے قدم من من بھر کے ہو گئے۔

تھوڑے خیالات بدل چکے ہوں گے۔ یہ کہہ کر میں ایک
پلکے سے آگے بڑھ گیا۔

دوسرے دن بخاری صاحب کا فون موصول ہوا۔
”تم لوگ کیسے نہیں جانتے گے۔ ایک گاڑی بددی تھی
پلے کے لیے پہنچنے والی ہے۔“

”اے۔ لیکن جناب۔ وہ گاڑی ہمیں کہاں سے جائے
گی۔“

”پتا نہیں۔ ہاں۔ یہ سن لو۔ سائنس دانوں کی ایک
پوری ٹیم سنڈر والی یبارٹری میں پہنچ چکی ہے۔ یہ ٹیم
اس بات پر غور کر رہی ہے کہ جراثیموں کو سنڈر کے
اندر ہی اندر کس طرح ختم کیا جائے۔ کیونکہ بعض جراثیم
درجہ کمالات پر بھی نہیں مرتے۔ خیر۔ امید ہے کہ وہ اس
مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ادھر پوری فوج کو چوکس
کر دیا گیا ہے۔ ہوائی حملے کی صورت میں منہ توڑ جواب
دیا جائے گا۔“

”جی۔ ہوائی حملہ۔ وہ کیوں؟ میں نے حیران ہو کر کہا۔

”بھئی۔ اب دشمنوں کے پاس صرف یہی ترکیب رہ

باقی ہے کہ یبارٹری کو بم مار کر اڑا دیں تاکہ جراثیم
سنڈر سے نکل پڑیں۔ لیکن یہ کام اب اتنا آسان نہیں

ڈال ہوتے سامنے تھی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں شعلہ
اگ رہی تھیں۔ چند لمحوں تک ہم ایک دوسرے کو گھورتے
رہے۔ آخر اس کے ہونٹ ہلے۔

”میں نے تم لوگوں کو صرف سراخ لگانے کے لیے
کہا تھا۔ ڈیڈی کو گرفتار کرانے کی بات نہیں کی تھی۔
یہ تم نے کیا کیا۔ اس کی شعلہ اگتی آنکھوں سے آنسو چھلک
پڑے۔ گریا آگ میں سے پانی بہ نکلا۔

”ڈال۔ تم۔ نہیں نہیں معلوم۔ تمہارے ڈیڈی کا کیا
منصوبہ تھا۔ یہ پوری قوم کو موت کا نوالہ بنا دینا چاہتے
تھے۔ چند دن بعد اخبارات میں تفصیل دیکھ لینا۔ میں نے
پڑھکون آواز میں کہا۔

”میں۔ میں کس طرح یقین کر لوں۔ میرے ڈیڈی تو
بالکل معصوم ہیں۔ عمر رسیدہ ہیں۔ لوگ انہیں خبیثی اور جھکی
کہتے ہیں۔ لیکن میرے تو یہ ڈیڈی ہیں۔“

”ہاں ڈال۔ یہ ٹھیک ہے۔ یہ تمہارے ڈیڈی ہیں۔
لیکن جب تم اخبارات میں تفصیل پڑھو گی تو اس وقت

ہمارے شاہین بیارٹری کی حفاظت کے لیے پوری طرح چوکس ہیں۔
”اوہ! میرے منہ سے نکلا۔“

میں نے یہ گفتگو انہیں بھی بتا دی۔ پندرہ منٹ بعد ایک شاندار روز رانس ہمارے دفتر کے دروازے پر آکر رکی۔ اس میں سے تین ملٹری کے آفیسر نیچے اترے، انہوں نے دفتر کے دروازے پر آکر ہمیں سیوٹ کیا اور پھر ایک دوا لے کر آپ کو ہمارے ساتھ چلا ہے۔

لیکن کہاں؟
یہ نہیں بتایا جاسکتا۔ مہربانی فرما کر تشریف لے چلے۔
”ہم اپنے آبا جان سے اجازت لے لیں: میں نے کہا۔“

اں ضرور: اس نے خوش اخلاق مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔

ٹھوڑی دیر بعد ہم اس سبک رفتار کار میں بیٹھے اڈے جارہے تھے۔ آخر کار ایوان صدر میں داخل ہوئی اور ہم حیران رہ گئے۔ قالین بچے راستوں پر چلتے ہم ایک

بہت بڑے کمرے میں داخل ہوئے۔ اندر بخاری صاحب صدر مملکت کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اور بھی بڑے بڑے آفیسر موجود تھے:

”لیجی سر۔ وہ آپہنچے۔“

”ہائیں۔ یہ ہیں۔ شوکی برادرز۔“ صدر صاحب کے منہ سے نکلا۔

”نچ۔ جی ہاں۔ اس میں شک کی گنجائش ایک فیصد بھی نہیں۔ آفتاب بھلا کہاں چپ رہنے والا تھا۔“

اور سب کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ پھر صدر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے باری باری ہم سے ہاتھ ملایا۔ اور کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چند سیکنڈ خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ آخر انہوں نے کہا:

”پوری قوم کی زندگی بچانے پر میری طرف سے مبارکباد اور شکر یہ قبول فرمائیں۔ یہ قوم آپ کی احسان مند ہے۔“

آپ لوگ سونے میں تولے جانے کے لائق ہیں، لیکن احسان پھر بھی نہیں چکایا جاسکتا۔ میں اپنی اور

پوری قوم کی طرف سے بس شکر یہ ہی ادا کر سکتا ہوں۔ ہاں۔ یہ چار تھن آپ کے لیے ہیں۔ انہیں قبول فرمائیے۔“

پر بیٹھے تھے۔ وہ سلاخوں کے پیچھے سلاخیں تھامے کھڑا تھا۔
ہم نے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب پھر وہی مسکراہٹ
ریگ رہی تھی۔

مگر وہ خاموش ہو گئے۔ ان کے اشارے
پر ایک آفیسر اٹھے اور انہوں نے تجھے ہمارے سینوں
پر سہا دیے۔ دہانے کیوں ہمیں فخر کا احساس ہونے
لگا۔ لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا۔ اس میں کچھ ہمارا
تو کمال نہیں تھا۔ یہ سب تو اس کی مدد سے ہوا۔
پھر فخر کیا۔ انسان کے لیے تو بس عاجزی اور انکساری
ہی مفید ہے۔

ایک بار پھر صدر مملکت نے ہم سے ملنا ملنے اور
ہمیں رخصت کیا۔ دفتر پہنچے ہی تھے کہ ملٹری پولیس کی طرف
سے فون موصول ہوا۔
"ہیلو۔ شوکی بول رہا ہوں۔"

"پروفیسر کا ایک ساتھی پنٹو آپ سے ملاقات کرنے
کا خواہش مند ہے۔ کیا آپ اس سے ملنا پسند کریں گے؟"
پنٹو کا نام سنتے ہی مجھے اس کی وہ مسکراہٹ
یاد آگئی اور مجھے پھر اکہن موس ہونے لگی۔ چنانچہ میں نے
جلدی سے کہا:

"اں ضرور۔ کیوں نہیں۔ اسے کہاں رکھا گیا ہے؟"
"آپ کے لیے جیپ بھیجا جا رہی ہے۔" اس نے کہا
اور ریسپورڈ کو دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم پنٹو کے سامنے کرسیوں

معاوضہ

ہیلو پیٹر۔ سناؤ۔ کیا حال ہے۔ ہمیں کیوں بلایا ہے تم نے؟ میں نے ابھی کے عالم میں کہا۔
 یہ بتانے کے لیے کہ میری جگہ یہ نہیں۔ جہاں مجھے رکھا گیا ہے۔
 تو پھر کیا تمہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے؟ اخلاق
 جمل بٹھن کر بولا۔

ہاں۔ ہونا تو یہی چاہیے تھا۔
 کیا کتنا چاہتے ہو؟ میں نے پریشان ہو کر کہا۔
 یہ میں تھا۔ جس کی وجہ سے تم لوگ کامیاب ہوئے۔
 اور تم لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے؟ اس نے کہا۔
 کیا مطلب؟ ہم ایک ساتھ بولے۔

اپنے وہ الفاظ یاد کرو۔ جو تم نے کہے تھے۔ میں بتاتا ہوں۔ تم نے کہا تھا۔ اور غیر ملکی قوم جب یہاں آ کر

جہاد ہو جائے گی تو پھر تم لوگوں کا کیا بنے گا۔ ابو داؤد،
 میر جعفر اور صادق کا انہماک شاید تم لوگوں کو معلوم نہیں،
 ہزاروں کا جو انہماک ہمیشہ ہوتا آیا ہے، وہی تمہارا بھی ہو
 گا۔ وہ تم لوگوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکیں گے۔
 سوچ کر کہ جو لوگ اپنی قوم کے وفادار نہیں۔ ہمارے
 وفادار کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اور تم ان کے مقابلے
 میں بالکل بے بس ہو گے۔ یہ الفاظ تھے تمہارے۔ انہیں
 سن کر اس وقت مجھے غصہ آ گیا تھا، لیکن بعد میں جب
 میں نے غور کیا تو میرا غصہ غائب ہوتا چلا گیا اور میں سوچنے
 لگا۔ تم لوگ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہو۔ دشمن قوم بھلا
 کب ہمیں بیٹھنے دے گی۔ میں اسی سوچ میں گم رہا۔ یہاں
 تک کہ پروفیسر نے تمہارے لیے موت کے کیپسول نکالنے
 کا حکم دیا۔ میز کی اوپر والی دراز میں جراثیم بھرے کیپسول
 موجود تھے۔ لیکن نچلی دراز میں خالی کیپسول تھے۔ پھر
 پروفیسر تمہیں جراثیموں کا ذخیرہ دکھانے چلا گیا۔ میں فون
 کرنے لگا۔ یہاں تک کہ تم لوگ واپس آ گئے۔ اب میں
 پھر میز کی دراز کی طرف بڑھا۔ میں نے دراز کو اپنی اوٹ
 میں رکھا اور اوپر والی کی بجائے نچلی دراز کھول کر اس میں
 سے خالی کیپسول نکال لیے۔ مجھے خوف تھا تو یہ کہ جب تم

وگ نہیں مردے تو پردہ فیر کا رد عمل کیا ہو گا۔ لیکن تھا
کا شکر ہے۔ آپ کے جبر جبری نے لی۔ پھر آپ
کے بنائیوں نے بھی جبر جبریں لیں اور پردہ فیر نے کر
یا۔ آپ وگ مر رہے ہیں، لہذا اس نے اشاکر ابھر
پھینک آنے کا حکم دیا۔ یہ بسترین موقع میرے ہاتھ آیا تھا۔
دوسرے ساتھیوں کی موجودگی میں میں آپ لوگوں کو سوتا تھا
نہیں بتا سکتا تھا۔ اس لیے خاموشی سے سڑک پر
پھینکوا کر واپس آگیا۔ ان حالات میں کیا میری جگہ یہی
ہے؟

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ ہم اس کی طرف دیکھتے
رہے۔ اب اس کی مکرابٹ کا مطلب سمجھ میں آگیا۔
یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیں زندہ دیکھ کر حیرت اور خوف سے
اچھلا نہیں تھا۔ آخر میں نے کہا،

تم ٹھیک کہہ رہے ہو پنٹو۔ اس کے علاوہ کوئی
بات ہو بھی تو نہیں سکتی۔ ہم خود حیران تھے کہ
زندہ کس طرح پناہ گئے۔ غیر۔ تم فکر نہ کرو۔ ہم سے جو ہو
سکا۔ کریں گے؟

ہم وہاں سے غفاری صاحب کی خدمت میں حاضر
ہوئے۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ فوراً اسے

بہتی مبارک ہو۔ جراثیموں کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اب یہ
کہانی کل کے اخبارات میں شائع ہو گی۔ ڈھیروں سبک
بادیں بیٹھنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔
"ارے باپ رے۔ اتنی مبارک بادیں ہم رکھیں گے کہاں؟
غائب لاکھ اٹھا۔

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چادریں کھینچ کر
غفاری صاحب نے سامنے دکھ دیے،
"ہے۔ یہ کیا؟"

"جی۔ تھنہ میں نے مسعودانہ افلازمیں کہا۔
"وہ تو غیر میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ کہ یہ تھنہ ہیں۔
اور وہی تھنہ ہیں جو صدر صاحب نے آپ کو دیے ہیں لیکن
یہ میری میسر پر کیوں رکھے گئے ہیں؟

"اس لیے کہ ہم چادریں۔ ان کے اہل نہیں۔ بلکہ
ان چادریں تمہنوں کا حق دار ایک اکیلا آدمی ہے اور وہ
ہے پنٹو۔"

"پنٹو۔ وہی پوٹو ہے چہرے والا؟ ان کے لیے میں
کی حیرت تھی۔

"جی ہاں۔ وہی پنٹو ان چادریں تمہنوں کا حق دار ہے۔
ہم نہیں؟"

روں گتا تھا جیسے یہ تانتا کئی روز تک نہیں رُکے گا۔
 زیادہ تر مبارک باد آبا جان اور امی جان وصول کر رہے
 تھے۔ ہم فون پر شکر یہ ادا کرتے کرتے تھک گئے۔ کبھی
 ہمیں دفتر میں آنا پڑ رہا تھا تو کبھی گھر کے اندر۔ اچانک اطلاع
 مل۔ انکل فارانی تشریف لائے ہیں اور آبا جان کے پاس
 بیٹھے ہیں۔ ہمیں ایک بار پھر اندر جانا پڑا۔ انکل فارانی تو خوب
 گلے ملے۔ جیسے عید مل رہے ہوں۔ اتنے میں ارشد نے آکر
 کہا:

”ایک لڑکی ملنے آئی ہے۔ اپنا نام ڈالی بتاتی ہے۔
 ڈالی۔ ہم ایک ساتھ بولے۔

”معاف کیجیے گا انکل۔ ہم ابھی آئے ہیں نے کہا۔
 ”معاف کیا۔ وہ مسکرائے اور ہم دفتر کی طرف بڑھے۔
 ”ارشاد۔ ڈالی سے ملاقات کے دوران جتنے لوگ بھی
 ملنے آئیں۔ انہیں اندر کی طرف بٹھاتے رہنا۔ ہم ڈالی سے
 فارغ ہونے کے بعد ان سب سے ملاقات کریں گے۔
 ”جی اچھا!

اور ہم دفتر میں داخل ہو گئے۔ ڈالی میرے سامنے
 والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں گہری
 سوچ میں غرق تھیں۔ ہمیں دیکھ کر بھی اس کے جسم میں کوئی

”لیکن کیسے؟“
 اس کا خیر جاگ گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم زندہ
 نہیں بچ سکتے تھے اور اس صورت میں خدا جانے کیا ہو
 جاتا۔

”بھئی ذرا وضاحت کرو۔ میں سمجھا نہیں: انہوں نے
 بے چین ہو کر کہا۔
 میں نے کیمپولوں کی کہانی انہیں سنائی۔ ان کی حیرت
 بڑھ گئی۔ آخر بولے:

”تب تو واقعی پٹلو کا مقام جیل نہیں ہے۔ میں ابھی حکم دیتا
 ہوں: انہوں نے کہا اور جیل حکام کو فون کرنے لگے۔ پھر
 بولے:

”جہاں تک اس کے آزاد کیے جانے کا تعلق ہے۔
 بالکل درست مطالبہ ہے۔ اس مدد کی وجہ سے اسے جیل میں
 نہیں رکھا جاسکتا۔ لیکن ان تمنوں کے حق دار تم ہی ہو۔ اہل
 کام تمہارا ہی تھا:

”پہلے خیر۔ یہ ہم دکھ لیتے ہیں: میں نے مسکرا کر کہا اور
 تینے اٹھائے۔

”دوسرے دن کے اخبارات صرف اسی واقعے سے بھرے
 پڑے تھے۔ اور فون پر فون اور ملاقاتیوں پر ملاقاتی آنے لگے۔

نہیں نہیں۔ ہم نے نہیں لے سکتے۔ میں نے گہرا

کیوں۔ آخر کیوں نہیں لے سکتے۔

اس لیے کہ ان کی پرانی عادت ہے۔ جب بھی
میں نے کسی کیس کا مناسب معاوضہ ادا کرنا چاہتا ہے، یہ
میں لے سکتے ہیں۔ ہم۔ یہ نہیں لے سکتے۔ آفتاب نے بٹے کٹے
انداز میں کہا۔

وہ کیوں۔ کیا آپ لوگ مفت کام کرتے ہیں۔
یہ بات نہیں۔ میں نے الجھ کر کہا۔

تو پھر کیا بات ہے۔ ڈال حیران ہو کر بولی۔ اسی
وقت اندرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ ہم سمجھ گئے کہ
امی جان ہیں۔ میں اٹھ کر دروازے پر گیا تو وہ بھری میں
سے جھانک رہی تھیں۔

کم بختو۔ انکار کیوں کر رہے ہو۔ اس پورے کیس
میں تم لوگوں کو مل ہی گیا ہے۔ چار تھنوں اور ہزاروں مبارک
بادیں۔ لیکن نہ تو ان تمغوں سے پیٹ بھر سکتا ہے اور نہ
مبارک بادوں سے۔ لہذا یہ پندرہ ہزار بخوشی قبول کر لو۔
امی جان۔ آپ مہمانوں کے پاس تشریف رکھیے۔

آپ کے بیٹے اپنا حق وصول کرنا خوب جانتے ہیں۔ میں نے

دکھائی ہوئی۔ جب ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے، اس وقت
اس نے پیری طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی آنکھیں ٹالی
ٹالی محسوس ہوئیں۔

میں نے انجانات میں ساری کہانی پڑھ لی ہے۔
اور اب بچے آپ لوگوں سے کوئی مل نہیں۔ ایک غدار وطن
کا انجام یہی ہونا چاہیے تھا۔ پچھلے بچے حالات معلوم نہیں
تھے۔ اس لیے میں آپ پر بگڑی تھی۔ اور جب میں نے
آپ سے اپنا ایک کیس مل کرانے کی ایک بات کی
تھی۔ اس وقت میرا خیال یہ تھا کہ ڈیڈی کئی کئی دن جو
غائب رہتے ہیں۔ کیس کسی کے جال میں تو نہیں پھنسے ہوئے
یہی وجہ تھی کہ میں نے آپ کو سراخ لگانے کی دعوت
دی تھی اور اس کا معاوضہ پندرہ ہزار روپے ملے کیا تھا۔
یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئی۔

کوئی بات نہیں۔ ہم آپ سے پندرہ ہزار روپے لینا
بھی نہیں چاہتے۔ میں نے فوراً کہا۔

اے۔ لیکن۔ میں۔ میں آپ کی فیس لے کر آئی ہوں۔
میں نے آپ کو جو کام سونپا تھا۔ آپ نے پورا کر دیا۔
اس میں آپ کا کیا قصور۔ کہ ڈیڈی کیا ثابت ہوئے۔
یہ کہہ کر اس نے پندرہ ہزار روپے ہمارے سامنے رکھ دیے۔

مزم لمے میں کہا اور وہ مجھے گھورتی چلی گئیں۔
"کون تھا۔" ڈالی نے پریشان ہو کر کہا۔

"امی جان تھیں۔" ہمیں ایک بات یاد دلانے آئی تھیں۔
"کیجئے ڈالی صاحبہ۔ آپ کے سوچنے ہوئے کیس پر ابھی ہم
نے کام کرنے کا صرف ارادہ کیا تھا۔ کام شروع نہیں کیا
تھا۔ یہ تو ایک اتفاق تھا کہ ہم پروفیسر صاحب کی جراثیموں
والی لیبارٹری تک پہنچ گئے۔ اور پہنچ کیا گئے۔ انہوں
نے خود ہی ہمیں اغوا کر لیا تھا۔ ورنہ شاید ہم تو وہاں
تک پہنچ بھی نہ پاتے۔ پھر پٹوٹے بھی، ہماری مدد کی۔
ورنہ اس وقت تو ہمیں دفن کر دیا گیا ہوتا۔ ان حالات
میں ہم پندرہ ہزار روپے وصول کرتے کچھ اچھے نہیں لگتے۔"
"ان سب باتوں کے باوجود میں آپ کو ان کا حق دار
خیال کرتی ہوں۔" ڈالی نے کہا۔

"جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

"اچھا تو کچھ کم کریں۔" اس نے کہا۔

"جی نہیں۔ اس معاملے میں ہم آپ سے ایک پیڑ
بھی وصول نہیں کریں گے۔ کیونکہ قطعاً حق نہیں رکھتے۔"
میں نے پُر زور انکار کیا۔

"آپ مجھے مایوس نہ بنائیں۔"

"ہم۔ ہم مجبور ہیں۔"

"اچھا تو پھر میری ایک اور درخواست منظور کر لیں۔"
ڈالی نے درد بھری آواز میں کہا۔
"فرمائیے۔"

"مجھے بھی اپنے ادارے میں شامل کر لیں۔ میں بھی
آپ کے ساتھ مل کر اس قسم کے کام کرنا چاہتی ہوں۔"
"اس پر ہم غور کریں گے۔ ویلے تو آپ کے لیے
یہی بہتر ہے کہ آپ سائنس کی تعلیم حاصل کریں اور ملک
کی ایک نامور سائنس دان بنیں۔ اس کے لیے مفید ترین
ایکادات کریں۔ یہ آپ کے لیے کہیں بہتر ہو گا۔" میں
نے مشورہ دیا۔

"خیر۔ میں آپ کے مشورے پر بھی غور کروں گی۔
آپ بھی غور کیجئے گا۔"

اس نے پندرہ ہزار روپے اٹھا کر پس میں رکھے۔
سلام کیا اور کمرے سے نکل گئی۔ ہم اسے جاتے ہوئے دیکھتے
رہے، نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اندر داخل ہوئے۔
امی جان کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔
"تو تم نے ایک پیڑ بھی نہیں لیا۔"
"امی جان۔ ہمارا حق نہیں بنتا تھا۔ ورنہ ہم ضرور لیتے

2000 روپے کا نقد انعام

من: شوکی سیریز کے پہلے خاص نمبر سے ایک جلد منتخب کر کے بھیجیے۔ اگر آپ کا جلد اشتیاق احمد کے منتخب کردہ جلد سے مل گیا تو آپ انعام کے حق دار ہوں گے۔

انعام کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سب سے پہلے موصول ہونے والے درست جملے پر مبلغ ۱۰۰۰/- روپے کا نقد انعام۔

۲۔ دوسرے موصول ہونے والے درست جملے پر مبلغ ۵۰۰/- روپے۔

۳۔ بقیہ ۵۰۰/- روپے تمام درست موصول ہونے والے جملوں میں برابر برابر تقسیم کیے جائیں گے۔

انعامات کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی انعامی رقوم من آرڈر کر دی جاتی ہے۔

(ادارہ)

ایک تو میں اس لفظ حق سے تنگ آگئی ہوں: انہوں نے پاؤں پٹنے۔ اسی وقت آبا جان آتے نظر آئے: بہتی ٹوکی۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ مہمان تم لوگوں کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ اوہو۔ یہ تمہاری امی کا چہرہ کیوں سرخ ہے؟

ہم نے ڈال سے فیس لینے سے انکار کر دیا ہے آبا جان: میں نے سہم کر کہا۔

اوہ۔ سمجھا۔ لیکن جی۔ یہ تو تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ تمہارا اس سے کچھ لینے کا حق نہیں تھا: شکریہ آبا جان: میں خوش ہو کر بولا۔

واقعی۔ ایسا اچھا تو ہم ہمیشہ ہی کرتے رہے ہیں اور ہمارا کام ہی کیا رہ گیا ہے: آفتاب جے کٹے انداز میں بولا۔ آبا جان۔ اشتیاق اور اخلاق مکرانے لگے۔ امی جان اور آفتاب کے مزہ پھول گئے اور مختلف تاثرات والے چہرے لیے ہم مہمانوں کی طرف چل پڑے، یہ سوچتے ہوئے کہ مبارک بادلوں سے غارت ہو کر ہمیں "ماں جی" کے پاس بھی جانا ہے۔

آئندہ ناول کی ایک جلد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انیکٹر جمشید سیریز نمبر ۹۴

کوٹھی کا مہمّا

— مصنف : اشتیاق احمد —

- انیکٹر جمشید کو فنان دھان کے سیکرٹری کے روپ میں دیکھیے۔
- سیکرٹری کے روپ میں انہوں نے کس انداز میں بات کی۔
- آپ ہنسے بغیر نہیں رہیں گے۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ ایک افسانے کی تفسیق کرتے نظر آئیں گے۔
- ایک کوٹھی کی کہانی — جس کا انداز آپ آخر تک نہیں مان سکیں گے۔
- آپ کی بے چینیاں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔

قیمت : ۱ روپے صحت

آئندہ ناول کی ایک جلد

محمود، فاروق، فرزانہ اور انیکٹر جمشید سیریز نمبر ۹۵

شیشے کی گیند

— مصنف : اشتیاق احمد —

- پا پڑی والا سے بیٹے۔
- رائے بھادر کی کوٹھی میں تقریب کے دوران ایک گیب جنگام۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ کے پاس تقریب کا کارڈ نہیں تھا اور انہیں اندر داخل ہونا تھا۔
- کیونکہ یہ حکم انہیں انیکٹر جمشید نے دیا تھا۔ آخر کیوں؟
- آپ آخر تک مجرم کو نہیں پہچان سکیں گے۔
- ایک جنگام پرورد کہانی۔

قیمت : ۱ روپے صحت

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اظہر، الیکٹرک کامران مرزا پیرنی

بیمروں کی بادشاہت

— مصنف : اشتیاق احمد —

• ملک کے سب سے بڑے دولت مند نے ایک عمارت بنوائی تھی۔

• عمارت کے متعلق اس نے ایک دعویٰ کیا۔

• اس نے اپنی تمام دولت اس عمارت میں جمع کی اور پھر اس کی نمائش کی۔

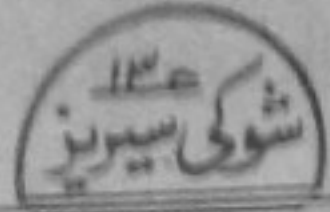
• لیکن دوسرے دن کیا ہوا۔ آپ پڑھ کر بھونچکے رہ جائیں گے۔

• شمالی پہاڑیوں میں ملک کی تاریخ کا عجیب کھیل کھیلا گیا۔

• الیکٹرک کامران مرزا کو کیس کی تفتیش سے روک دیا گیا۔

قیمت : ۶ روپے مروت

آئندہ ناول کی ایک جھلک



قاتل کروہ

— مصنف : اشتیاق احمد —

• اس بار انہیں کسی کیس کے لیے کوشش نہیں کرنا پڑی۔

• کیس تو انہیں زبردستی سونپا گیا تھا۔

• وہ اس کیس کو حل نہیں کرنا چاہتے تھے، آخر کیوں؟

• لیکن انہیں حکم دیا گیا تھا، اس کیس کو حل کرو، ورنہ۔۔۔

• ایک ہولناک دھمکی جو انہیں دی گئی اور ان کے رونگٹے

کھڑے ہو گئے۔

• پھر پھر ادینے والا ایک ناول۔

قیمت : ۶ روپے مروت

خطوط کے آئینے میں

نوٹ: پہلے تین خط انعامی قرار پائے۔ ۲۵/- روپے فی کس
انعام کی رقم رواد کی جا رہی ہے۔

مبارک سے نکل اسلام علیکم

ایک ایسی سی کا دہم علم ہیں۔ آپ کے ناول کی ات ایسی پڑی
کہ نہیں چھوٹی۔ آپ کی تعریف کرنا، سورج کہ چراغ دکھانے کے مترادف ہو گا۔
چند تقاریر پیش کر رہا ہوں کہ آپ کے ناول اس وجہ سے اتنے پسند کیے
جاتے ہیں کہ پلاٹ نہایت چمک رہا ہے۔ ایک ماہ میں چار ناول پھر ہر
ناول کا اتنا مکمل پلاٹ۔ قاری ایک مرتبہ غم و غم کے ختم کر کے ہی دم
بنتا ہے۔ مرکزی خیال اسے اپنے اندر سمویتا ہے۔ ناولوں میں پسند بھی
پیدا ہوتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب الیکٹرونک صحابان ساری کمائی
بیان کرنے ہیں۔ آپ کا یہ انداز بہت پسند کیا جاتا ہے کہ ہر باب میں ختم
ہوتا ہے، اداں اتنا زیادہ پسند ڈال دیتے ہیں کہ پڑھنے والا بہت زیادہ متحس
جاتا ہے۔ لیکن آپ کی تحریر میں جو نقص ہے وہ یہ کہ چند جملے بار بار دہراتے

وہاں کے پہلے جاتے ہیں جن کی وہ سے بہن انکات بڑھت کا سام کرنا پڑتا ہے
سب سے زیادہ ناول کی غزلی میں مزاج کا صبر ہے، لیکن آپ میں پہلے
نہیں کرنا دلوں کے جھوٹوں سے مزاج ہینا کر سکتے ہیں۔ اس طرح کے پہلے آپ کو
یکہ اور سانس سے بھی پہلے چاہئیں۔ کوئی اور مزاج کرنا ناول میں دیکھتے ہیں
کوئی اہم نوکر اس گرد۔ دوسرے یہ کہ آپ کمر وادوں کی انسانی وعظ شروع
کرادیتے ہیں۔ جاسوسی ناول میں وعظ فدا گھب سی بات لگتی ہے آپ ہر مومن
میں عورت کو بہت دکھاتے ہیں۔ آخر میں اہانت چاہوں گا۔ یہ باتیں میں
نے تنقید پہلے تنقید نہیں لکھی ہیں، بلکہ بڑے تجربہ۔

فقط، محمد نسیم چوہدری، ڈیپٹی ڈائریکٹر، جوبہر آباد۔

اپنی تعریف سننے والے نکل اشتیاق احمد آداب

آج تک زیادہ خطوط آپ کی تعریف کے ہی شائع ہوئے اور آپ اپنی
جہتی تعریف پڑھ کر پورے نہیں سمجھتے، ہواؤں میں اڑنے لگتے ہیں، لیکن یہاں
خط پڑھ کر آپ مایوس ہو جائیں گے، کیونکہ اس میں آپ کے لیے تعریفی
کلمات نہیں ہیں۔ آپ جھلاہٹ کے انگارے چبائیں گے اور یقیناً اس خاکسار
خط کو مدی کی ٹوکری میں ڈال دیں گے۔ ویسے بھی یہ جھلا چھ خط ہے اور
تعریفی کلمات نہ ہونے کی وجہ سے آپ مجھ پر تاد کھا رہے ہوں گے، لیکن تاد
کھانا کچھ اچھی بات نہیں، اس طرح انسان جھنجھلا اٹھتا ہے، لاش کھانے کو جھنجھلا
ہے۔ اس کی عقل جھٹ ہو کر رہ جاتی ہے، لیکن اب چونکہ تیر کمان سے نکل چکے

ہو کہ وہ آٹھ آٹھ اس دس دس ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نہیں سمجھتا تو
اسی طرح ہی۔ لیکن اب ہمارے ہاؤس کو طرف سے ان میں کسے کا ایک سر
شروع کر رہا ہے۔ جس کا انکی مبالغہ نظر آ رہا ہے۔ خطرناک مبالغہ
ہو کر تو وہ واقعی خطرناک مبالغہ نظر آسکتے ہیں۔ اور سب سے بڑا خطرہ کہ ان
نکل تیز دھڑلے کی مشق کر رہی ہے۔ اسی کو خطرہ ہے اس کے ہاؤس میں بھی
بھی آگئی ہے۔
دوسرے نمبر پر: (پہلی جلد) دوسری

ذیر اشفاق احمد السلام علیکم

آپ کے ہاؤس ایک عرصے سے زیر مطالعہ ہیں، لیکن آج تک خدا
کے کی عزت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ تحریروں میں جو آپ کی جھلک نظر آتی ہے
بمقام قارئین کے پہلے وہی کافی ہے۔ خط لکھنے کی عزت محسوس نہ
ہوتی، اگر یہ مسئلہ نہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ مسئلہ بڑا ہے اور اسے غور
ہے اور آپ کے ہاؤس بنا ہے ہیں۔ آپ کے ہاؤس جو ہماری پھوٹی ہوئی
کے حافظ کی گرفت میں نہیں آتے۔ کیا سمجھیں؟ تو ہم بھی کچھ نہیں۔ اس
جانتے ہیں کہ ہماری بہن آپ کے ہاؤس کی حافظ ہیں۔ صفو بنہ، سطور کی تعداد
ہر صفحے کا پہلا جملہ، پیرا میں کے نام اور کرداروں کے مکالمے وغیرہ
ذاتی یاد ہیں۔ ظاہر ہے حافظ ایک بار پڑھنے سے تو نہیں ہوتا۔ خدشہ تو یہ
ہے کہ یہ بار بار پڑھنا کیسے اس کے حواس نہ معطل کر دے۔ (آئندہ پیدا ہو
جئے ہیں) مبالغہ ذہنی ہاؤس کی اوسط ہے، ان میں خاص بنہ شامل نہیں ہیں،

ہو کہ وہ آٹھ آٹھ اس دس دس ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نہیں سمجھتا تو
اسی طرح ہی۔ لیکن اب ہمارے ہاؤس کو طرف سے ان میں کسے کا ایک سر
شروع کر رہا ہے۔ جس کا انکی مبالغہ نظر آ رہا ہے۔ خطرناک مبالغہ
ہو کر تو وہ واقعی خطرناک مبالغہ نظر آسکتے ہیں۔ اور سب سے بڑا خطرہ کہ ان
نکل تیز دھڑلے کی مشق کر رہی ہے۔ اسی کو خطرہ ہے اس کے ہاؤس میں بھی
بھی آگئی ہے۔

انجمن کامران مرزا اور انجمن شہید کے حافظان کے ہاؤس میں استفسارات

مذوق اور آفتاب کے کردار پر شک و شبہ، (مرزا اور) موت کے پرتاؤ پر تنقید
و سب کچھ اس شخص پر کرنے کی ہی تو نشانیاں ہیں۔ آپ سے اتنی درخواست
ہے کہ اس عجیب و غریب قادیان سے ہماری جان چھڑائی جائے۔ خط کے جواب
میں اپنی اس طرح کو اتنی سی نصیحت کر دیجیے کہ ان ہاؤس کو حفظ کر کے ٹاپ
تو شاید ہی ملے، باقی دنیا سے بھی جاتے گی۔ فقط، ایک پریشان تھیانی۔
محمد طاہر ۳۰/۱/۲۰۱۷ء۔ پی ایچ ڈی کالونی۔ گوری روڈ، کراچی۔
ج: اگر آپ نے مبالغے سے کام نہیں لیا، تو موصوفہ سے ملنے کا اشتیاق
رکتا ہوں۔

ذیر اشفاق احمد السلام علیکم

آپ ہر ہاؤس میں مکھ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شکایت ہو تو مکھ میں آجائیں
آپ ایک شکایت کی بات کرتے ہیں یہاں تو شکایتوں کے دو چار بیٹل تیار ہیں

۱۰ تقریباً مستقبل میں ہماری رہنمائی کرے گی۔ آپ کے ناول دشمن ملک کے
 لحاظ سے ہمارے جذبات کو ابھارتے ہیں۔ یہی نہیں ان میں مزاج ابھارتا ہے
 اور کس میں جوتا ہے جو ہم کسی دوسرے مصنف کی کتابوں میں نہیں پاتے۔
 ان فلاں بتادیں کہ ملک کے مغربی حصے میں تو انپیکر پوشیدہ رہتے ہیں، مشرقی
 حصے میں انپیکر کامن مرزا تو پھر یہ ٹوکی براؤز کون سے حصے میں رہتے ہیں۔
 جیسے ہم ماننے جیتے ہیں، جنوبی حصے میں رہتے ہوں گے، تو اب فلاں بتادیں
 کہ شمالی حصے میں کون آ رہا ہے۔

فقط والسلام : ماجد نسریہ۔ رنجیوڑ لائن، کراچی۔

۱۱ چچا جان، کیا حال ہے۔ امید ہے، خیریت سے ہوں گے، کیونکہ ہر ماہ
 چار ناول پوری تیلوری کے ساتھ مل رہے ہیں۔ رے راٹا پڑھا، انجام پڑا
 کر تین ہو گیا کہ رے راٹا مستقبل میں ایک بڑا مجرم بن کر نمودار ہو گا۔ آپ
 کے ناولوں میں ایک بات مجھے اور میرے گھر والوں کو پسند آئی، وہ ہے نمبر ۱
 حدیث شریف کا سلسلہ ۲ ناول پڑھنے سے پہلے، اور ماں، شاید آپ کو چار کے
 ہندسے سے بہت محبت ہے۔ ذرا دیکھیے تو۔ ہر ناول کے مستقبل کو چار،
 ہر ماہ چار ناول۔ آپ کی اب تک چھی ہوئی تصویریں چار طرح کی۔ مرنے والے
 بڑے مجرم چار۔ جیرال، جیتال، کالی آتکھ، اسایہ۔ فقط :

مرزا عادل بیگ۔ مکان نمبر ۸۶، ۱۲۔ ایف گاڑی کھاتا، حیدر آباد۔

۱۲ آپ کو جانتا ہے، لیکن اچھا، ہر ناول اٹھا تو آپ کی مسی صورت ایک
 کڑی آنی۔ اس لیے جانتے سمجھتے ہیں، آپ بھی یاد کریں گے۔ مجھے بھی
 آپ کی طرح ناول لکھنے کا شوق ہے، مگر میں نے اس شوق کو کبھی پورا نہیں
 کیا۔ معاذ پھر وہی ناول کے پیچھے آپ کی تصویر۔ بس توں آجاتا ہے کہ
 اگر میں نے کتنا شروع کر دیا تو آپ کی مارکیٹ ڈاؤن ہو جائے گی۔ اور ماں
 ایک شکایت ضرور لکھوں گا۔ آپ اپنے ہر ناول میں ملک اور قوم کے مسئلے کو
 مزید درمیان میں لاتے ہیں۔ یہ موضوع اچھا تو ہے، لیکن ضرورت سے زیادہ
 پڑھ کر ہم بد ہو جاتے ہیں، اس لیے اب اس لائن سے ہٹ لکھنے کی
 کوشش کریں۔ اگر اس کوشش میں ناکام رہیں تو مجھ سے مشورہ لیں، جو
 بالکل مفت ہے، لاہور جس سے آپ کے ناولوں کو بہت بعد افادہ ہو گا۔ اچھا
 اب خط ختم کرتا ہوں، کیونکہ تو آپ کی دو باتیں کی صورت اختیار کرتا جا
 رہا ہے۔

امجاز نسریہ (پتا نہیں لکھا، وہ خط انعامی قرار دیا گیا تھا)

۱۳ پیارے انگل اشتیاق احمد، عن شرک ہونے کے بجائے، اسلام علیکم۔
 مزاج کیسے ہیں جناب کے۔ میں آپ کے ناول بہت شوق سے پڑھتا
 ہوں اور آپ نے میرا ایک خط بھی شائع نہیں کیا۔ آپ بہت اچھے مصنف
 ہیں۔ آپ کے قلم سے خوبدار پھول جھڑتے ہیں جو پھول کے دلوں میں سما جاتے
 ہیں۔ آپ کی تحریر ہمارے مستقبل کی روشنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی

سید عہد علی - ۱۰/۱۱ فی بی ہسپتال لاہور۔

۳۰. ہمارے آخری پکیٹ کا نہیں۔ پکیٹ کا لاکھ بھروسہ ہے۔

ہیائے اعلیٰ اسم علیکم۔

اس بار کے معاملوں میں انہی کی قیمت منبر سے لگوا۔ میں اس شخص کو لکھا
کہ ساتھ نہیں دے سکا۔ آخر تک نہیں برقرار رہا۔ آپ سے اس میں ایک سو
مضامین منبر ہوئیں۔ بہترین خاص منبر کے بارے میں پتہ کہ خوشی ہوئی اور یہ
خوشی ہو گئی ہو گئی۔ لیکن شری کی سیرج کا خاص منبر بھی شائع کر رہے ہیں۔ میں
نے کراچی کے ہائی وی بارونز سروس کو لکھا کہ اپنی بات کو بھی لکھا۔ لیکن کوئی
جواب نہیں ملا۔ جی ہے تھا ثنا کا ہوتا ہے، آپ کے مادل ڈراموں کی صورت میں
دیکھیں۔ نئے سال کے مادل سے آپ کی تصویر بھی نہیں ہوتی گا یہی وہ اچانک
محمد فیصل لطیف، کراچی۔

پیارے نکل اشتیاق اسلام علیکم ،

امید ہے، خاص نمبر کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے اور دن رات ایک کر رہے ہوں گے، شو کی سیر نی کا علیحدہ خاص نمبر اچھا اقدام ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہماری جیبوں کا بھی خیال رکھیں۔ اگرچہ آپ پہلے ہی ان کے ساتھ انعامات

حسن شہان، آداب۔

اصل کتابیں اور اس کی کاپیاں کی ناک جھوک نے دل پر بیٹھے ہیں
 پڑھنا ہوا پڑھا، نسخہ اور اس کی کاپیوں کی ناک جھوک نے دل پر بیٹھے ہیں
 غرض کہ اس نے دل بھی بہت مباحث لگا دیے تھے۔ سرکس کا سین بڑا
 دل کھل گیا۔ سرکس میں بھرپور بھی خوب تھی۔ قدس برادران سے ملاقات ہونے
 آئی۔ آخری ڈاکہ بھی پانچ آیا۔ آخر تک نہ جان سکے کہ مجرم کون ہے۔ آپ کو
 ہر اصل کیفیت سے پتہ چلتا ہے۔ خدا آپ کے قلم کو جلا بخشنے۔ جتنا پڑھنا
 کہ وہیں سرخ کا جہر میں داخل گھٹا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ اس جہر
 سے انصاف نہیں کرتے، اس میں دل نے ان کے دعوے کو غلط قرار دے دیا ہے۔
 دل ایسا کہ ایک بار شروع کر کے آخر تک پڑھ کر ہی دم لیا۔ آفتاب وغیرہ
 جس طرح دشمنوں کا مقابلہ کیا، قابلِ قریب ہے۔ امید ہے، انہی سے خاص نہر
 میں ملاقات ہوگی۔ اور میرے نے جب معمول متاثر کیا۔ چغتائی صاحب کو مبارکباد
 ایم بیگم صاحبہ اور صاحبِ مجلس

محترم بہائی اشیاقی ہوتا ہے۔

ہوا، ہوا پس پس، بلکہ چوں چوں کا مرتبہ تھا۔ ان ایک بات ضرور ہے
آخری پکیٹ کا دوسرا حصہ معلوم ہوا۔ آپ نے اس سے زیادہ پورہ ناول آج
تک تحریر نہیں کیا ہو گا۔ سر میں درد ہو گیا اھناک میں دم آگیا اور نزلہ بھی ہو گیا۔
اب پتا نہیں نزلہ کس پر گرے گا۔ آپ پر تو غم نہیں گرے گا۔ دوسرے ناول
اپنی جگہ جواب دیتے، بلکہ واہ دانتھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ ابھی آپ

استثنائی غیر ضروری چند اعلانات

انہیں آپ ایک آنکھ سے بڑھ کر دوسری سے محال کہتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، میں نے کتبہ اشتیاق سے صدی کی ابتدا کے اپنا الگ ادارہ اشتیاق پبلی کیشنز قائم کر لیا ہے اور اب میری پابلیشنگ کمپنی کتابیں اسی ادارے کے تحت شائع ہو رہی ہیں، لہذا نئے حالات کی روشنی میں یہ اعلانات یکے جا رہے ہیں۔

① کتبہ اشتیاق سے شائع شدہ تمام کتب کا نفع اب کتبہ اشتیاق اور نفع اشتیاق پبلی کیشنز کو مل گیا ہے! گو! نفع نفع کتب و طبع کے اس میں۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں اداروں کی اپنی اپنی فہرست کتب ہے۔ آپ کو جب ایک فہرست ملتی ہے تو اس میں نفع ہم دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے یہ وضاحت کر دی گئی ہے۔

② اشتیاق پبلی کیشنز سے اب صرف میرے لکھے ہوئے ناول بازار میں بیچے جا رہے ہیں۔ کتبہ اشتیاق کی طرف سے جو پکیٹ وکٹوریٹ کو یا قارئین حضرات کو مل رہے ہیں، اس سے برا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ یہ وضاحت اس لیے کی گئی ہے کہ مجھے طرز طرز کے خطوط مل رہے ہیں مثلاً آپ نے اپنے علاوہ دوسرے معنفوں کی کتابیں کیوں روانہ کیں؟

رہے ہیں، کچھ تو بیورو سٹریکٹ کتابوں کی قیمت ۱۰۰ روپے تک پہنچ چکی ہے۔ آخری ناول پلاٹا ہوا ۱۰۰ روپے کی قیمت پر نہ اپنی قیمت کے واحد ناول تھے۔ اس طور پر آخری ناول کے بارے میں آپ کا خیال درست تھا۔ ہم مجرم کو نہیں پہچان سکے۔ سنہ آپ کو مل گئی ہوگی۔
عام کریم، گورنمنٹ لائبریری، لاہور۔

تقریباً دو سو پچاس ناولوں کے معنف اشتیاق اور اسامہ سلیم۔
میں تو سمجھتا تھا کہ آپ صرف معنف ہی ہیں، لیکن آپ تو پورے فہم و فہم
تھے۔ آپ کے ناول پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی فہم دیکھ رہے ہیں۔
آپ ہر کردار کو نہایت خوبصورت ڈیلے سے پیش کرتے ہیں۔ میں آپ کے
تقریباً سبھی ناول پڑھ چکا ہوں اور جو شائع ہو رہے ہیں، وہ بھی پڑھ رہا ہوں۔
ایک مشورہ ہے، آپ اپنے کسی ناول کی فہم بنوائیں۔ خدا حافظ۔
عابد حسین صابر۔ چنگ لار روڈ، راولپنڈی۔